Burhanpur famous for
1. Saints
2. Court of Khankhana
3. Poets.

پیش لفظ

برہان پور ہندوستان کے اہم تاریخی مقامات میں شامل ہے
اس کی تاریخی عظمت یوں تو ہر زمانہ ہی میں قائم رہی۔ لیکن خاص
طور پر عبدالرحیم خان خانان کے طویل قیام سے اس کو چھوٹی
دہلی کا مرتبہ حاصل ہوگیا۔ خان خانان نے عہد طفولیت
ہی سے اکبر اعظم کے طور و طریق کو دیکھا تھا۔ اور اپنے
نامور باپ بیرم خاں کی شہادت کے بعد وہ اکبر
ہی کے پاس رہا تھا۔ جو رشتے میں اس کا خالو بھی ہوتا
اس قرب اور اختصاص کے باعث اکبر کی سیرت کے
اکثر نقوش خان خانان کے دماغ اور کردار میں رچ گئے
تھے۔ چنانچہ معارف پرستی، علم دوستی، اور مختلف فنون
کے ماہرین کی قدرشناسی میں خان خانان کی روایات
کسی طرح اکبر اعظم کی روایات سے کم شاندار نہیں۔

تاریخ میں ایسے اکثر واقعات مرقوم ہیں کہ ایران کے اکثر علماء، وفضلاء، اطبّاء اور شعراء وہاں کے مختلف مدارس میں محض اس لیے کسب کمال کرتے تھے کہ خان خانان کی خدمت میں پہنچ کر اپنے حسب مراتب کوئی جگہہ حاصل کریں۔ یہ لوگ اپنے وطن سے چلتے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے دہلی آتے تھے لیکن یہاں بھی ان کا دل نہ لگتا۔ اور آخر کار برہان پور پہنچ کر خان خانان کی سرکار تک رسائی حاصل کر کے اپنی تشنگی دور کرتے تھے۔ ایران اور دوسرے ممالک سے جو لوگ برہانپور آکر خان خانان کی سرکار میں ملازم ہوئے ان کی طویل فہرست مآثر رحیمی میں موجود ہے۔ اکثر حضرات کا تفصیلی تذکرہ بھی ہے۔ ان میں علماء اور فضلاء بھی ہیں، اطباء اور شعراء بھی۔ اور فنون سپہ گری کے ماہرین بھی۔ جہاں تک خان خانان کے ذاتی علم وفضل کا تعلق ہے، یہ تو سب ہی کے علم میں ہے کہ وہ فارسی، ترکی، ہندی اور سنسکرت کا زبردست عالم تھا اور ان زبانوں میں بہترین شعر کہتا تھا۔ اس کے فارسی اور

ہندی اشعار آج بھی زبانِ زدِ عوام ہیں۔ اور بعض فارسی اشعار تو شعری نقطۂ نظر سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ خان خانان فرانسیسی زبان میں بھی پوری مہارت رکھتا تھا۔ اور اس قسم کی جو مراسلت دربار اکبری سے ہوا کرتی تھی وہ اسی کی قابلیت کا نتیجہ ہوتی تھی۔

صاحب مآثر الامراء کے بیانات کے مطابق بعض یوروپین زبانیں اس نے اکبر کے حکم سے اسی ضرورت کے لیے حاصل کی تھیں۔ کہ ان زبانوں کے مراسلوں کو سمجھنے اور ان کے جوابات لکھنے میں آسانی ہو۔ بہرکیف خان خانان کے قیام کے برہان پور کی تاریخی روایات میں بردست اضافہ کیا یہی سبب ہے کہ اس سرزمین کے نامور علماء و فضلاء اور شعراء کے تذکروں سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔

اردو کی تاریخ میں بھی اس اعتبار سے برہان پور کا نام کافی اہمیت رکھتا ہے کہ اس زبان کے اولین شاعر ولی دکنی سعد اللہ گلشن کے شاگرد اور مرید تھے اور اس نسبت سے عرصہ تک ان کا قیام برہان پور میں رہا۔ بلکہ ریختہ میں شعر کہنے کی تحریک ان کے استاد اور مرشد ہی نے کی۔ موجودہ دور میں جہاں تاریخی آثار برہان پور کی عظمت ماضی کی

داستانیں سنانے کیلئے موجود ہیں، وہاں اس سرزمین پر بعض ایسی ہستیاں بھی موجود ہیں جو شعر و ادب کے نئے تقاضوں کا ساتھ دیکر اپنے مستقبل کی زوایا کو ماضی کی روایات سے ملا دینا چاہتے ہیں۔ اور جہاں تک ادبی ذوق کا تعلق ہے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ادبی عناصر اس سرزمین میں بدستور موجود ہیں۔ اور تصنیف و تالیف کا مذاق بھی اہل برہانپور کی فطرت سے محو نہیں ہوا۔ چنانچہ "سلک گوہر" اسکی زندہ شہادت ہے۔ اس کے مولف جاوید انصاری ارض برہانپور کے ایک فرزند ہیں۔ ان کی تصنیفی شعور اور سلیقہ کا اندازہ سلک گوہر کے مطالعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اب فارسی زبان ہمارے ملک سے سلٹتی جا رہی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسکی روایات کو بھی فنا ہونے دیا جائے۔ سلک گوہر ان قدیم شعراء کے تذکرہ پر مشتمل ہے جن کا براہ راست برہانپور یا اس کے نواحی شہروں اور صوبہ متوسط سے کوئی تعلق رہا۔ اس تذکرہ میں کل ۱۸ شعراء کا ذکر ہے جنہیں سے اکثر فارسی میں کہنے والے حضرات ہیں۔ اہل ملک کا مذاق بگڑ جانے کے باوجود ایسی تالیفات کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ ان تمام شعراء کی

حالات مختلف تاریخی کتابوں اور تذکروں میں مل جاتے ہیں لیکن یہ خصوصیت "سلک گوہر" ہی کو حاصل ہے کہ اس میں تمام ایسے شعراء کے حالات ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں جن کا برہانپور اور اسکے متصلہ علاقوں سے تعلق ہے۔ یہ زبان اور لٹریچر کی ایک اچھی خدمت ہے۔ مؤلف نے شعراء کے حالات لکھنے میں پوری احتیاط اور تاریخی دیانت سے کام لیا ہے۔ جن کتابوں سے تالیف کے سلسلہ میں امداد لی گئی ہے شروع میں ان کی فہرست بھی درج کر دی گئی ہے۔ سلک گوہر کی زبان ایسی ہے۔ جسے اس قسم کی کتابوں کے لیے موزوں ہی کہا جائیگا۔ البتہ بعض شعراء کے کلام کا انتخاب بہت طویل ہوگیا ہے۔ ضرورت تھی کہ انتخاب مختصر اور زیادہ محتاط طریقہ سے کیا جاتا بالخصوص فارسی شعراء کے کلام کا انتخاب۔

بحیثیت مجموعی یہ تذکرہ اردو کے ذخیرہ میں ایک اچھا اضافہ ہے اور اس کے نوجوان مؤلف جاوید انصاری پوری حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔

کوثر۔ چاندپوری

بھوپال

۴ اپریل ۱۹۴۹ء

نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نامِ نیکت یادگار،

حصّۂ اوّل

سِلکِ گہر

صوبۂ متوسط اور برار کے قدیم اہلِ تصانیف
اور صاحبِ دیوان شعراء کا تذکرہ مع انتخابِ کلام

مؤلفہ

جاویدِ انصاری برہانپوری

اشاعت اول

قیمت دو روپیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

فی الحال صوبہ متوسط و برار کا ادبی ماحول کسی حد تک مایوس کن ضرور ہے جس کا ایک سبب تو یہاں اُردو پریس کا فقدان ہے دوسرے مرہٹی زبان کا غلبہ۔ اور بعض ارباب وطن کا لسانی تعصب، انھی اسباب کی بناء پر یہ خطہ علمی و ادبی ترقی میں پس ماندہ ہے۔ لیکن جن اصحاب نے گہری نظر سے یہاں کی قدیم علمی و ادبی تاریخ کا جائزہ لیا ہے وہ اس صوبہ کے شاندار ادبی پس منظر سے انکار نہیں کر سکتے۔ دراصل یہی وہ علاقہ ہے جہاں اُردو زبان کی نشو و نما ہوئی اور اسے موجودہ منزل ارتقاء تک پہونچنے کا موقع ملا۔ اس کتاب میں صوبہ متوسط کے مختلف مقامات ایلچ پور، بالاپور، انجن گاؤں، آشتی، بدنیرہ، ملکاپور، چھندواڑا، جبل پور، ساگر وغیرہ کے مایۂ ناز شعراء کے حالات مع انتخاب کلام درج ہیں۔ نیز صوبہ متوسط نے تاریخی شہر برہان پور کے قدیم شعراء کا بھی تذکرہ ہے۔ اگرچہ امتدادِ زمانہ نے آج انھیں فراموش کر دیا ہے۔ لیکن تاریخ علم و ادب کے صفحات آج بھی ان کے کارناموں سے روشن ہیں۔ دورِ قدیم کے تاریخی اور علمی ماحول کے پیشِ نظر برہان پور کو دکن کی دلّی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تسخیرِ دکن کے سلسلہ میں خانِ خانان عبد الرحیم عرصۂ دراز تک دار السرور برہان پور میں مقیم

رہا۔ خانِ اعظم خود بھی فارسی اور بھاشا زبان کا بہترین شاعر تھا۔ فارسی اشعار
میں منعم اور بھاشا میں رحیم اور رحمٰن تخلص کرتا تھا۔ برہان پور کے دورانِ قیام میں
خانِ مذکور کا شہرۂ جود و کرم سن کر ایران، افغانستان اور ہندوستان کے
دیگر مقامات کے مشہور علماء اور باکمال شعراء برہان پور آئے جن میں سے اکثر نے
شہر کو وطنِ ثانی بنا لیا اور اسی جگہ مدفون ہوئے۔ نیز مشہور ریختہ گو شاعر ولی دکنی
کے پیر و مرشد شاہ سعد اللہ گلشن[1] برہان پور میں پیدا ہوئے یہیں تعلیم و تربیت
حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں انتقال کیا۔
شاہ گلشن ہی کی فرمائش پر ولی نے زبانِ ریختہ میں طبع آزمائی کی علاوہ ازیں خود
ولی دکنی بھی عرصہ تک برہان پور میں سکونت پذیر رہا۔

عرصۂ مدید سے آرزو تھی کہ سی پی اور برار کے ان بیش بہا موتیوں کو رشتۂ
تالیف میں منسلک کر دیا جائے جو متعدد تاریخی کتب میں بکھرے پڑے ہیں۔ کسی
ایک خطے کی علمی و ادبی تاریخ کی فراہمی میں جو مشکلات حائل ہوتی ہیں اس کا اندازہ
وہی اصحاب کر سکتے ہیں جنہیں اس مرحلے سے گذرنا پڑا ہو۔ صرفِ کثیر کے علاوہ
بعض ماخذات کی دستیابی میں مجھے جن دشواریوں کا سامنا ہوا اس کا ذکر باعثِ
طوالت ہوگا۔ بیشتر شعراء کے حالات قدیم فارسی زبان میں تھے جن کا سلیس
اردو ترجمہ افادۂ عام کی غرض سے کر دیا گیا۔ بعض مشہور شعراء کا کلام کہیں دستیاب

(۱) سروِ آزاد۔ تذکرۂ شعرائے دکن ۱۲۔ ۵۲ گلشنِ گفتار صفحہ ۸

نہ ہو سکا۔ لہذا صرف حالات ہی لکھنے پر اکتفا کیا گیا۔ پیشِ نظر تذکرے میں مسلمان شعراء کے علاوہ ہندو شعراء کا کلام بھی مع سوانح درج ہے۔ جو دونوں اقوام کے لسانی اتحاد کا بیّن ثبوت ہے۔ حسب موقع کتبِ ماخذ کے اقتباسات بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ آغازِ کتاب سے آخر تک ترتیبِ سنین کا التزام رکھا گیا ہے تاکہ مختلف ادوار کی ترقیِ زبان کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

برہان پور کے شعراء میں اُن غیر مقامی شعراء کے حالات بھی درج کئے گئے جو کسی منصب پر مامور تھے یا مدّتِ دراز تک یہاں رہے اور اسی شہر میں مدفون ہوئے۔

اس ہمت شکن دور میں جب کہ بیشتر تنقید نگار محاسنِ ادب سے قطع نظر کر کے ہر نئی تصنیف و تالیف کا تاریک پہلو تلاش کرنے کے عادی ہیں کسی تذکرے کی اشاعت جس قدر مشکل امر ہے محتاجِ تشریح نہیں۔ پھر بھی میں مطمئن ہوں کہ سنگِ گہر کے ماخذات میں شمالی ہند اور دکن کے مشہور اور معتبر تذکرے شامل ہیں جن میں اکثر انجمن ترقی اُردو کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض کتب کی نایابی سے چند شعراء کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ جہاں تک اس کتاب کی تدوین و ترتیب متعدد تذکروں کے غائر مطالعہ اور تصحیح و مقابلہ کے بعد کی گئی ہے اور معتبر حالات درج کئے گئے ہیں۔ پھر بھی نسیان لازمۂ بشریت ہے۔ لہذا امکانِ سہو و خطا کا مجھے اعتراف ہے

بعض کاروباری مصروفیات کے پیشِ نظر کتاب کی اشاعت میں کافی تاخیر ہو گئی۔ بہرکیف میری دو سال کی پیہم عرق ریزی کا ماحصل آپ کے سامنے ہے۔ تذکرہ کی تالیف و ترتیب میں جن معتبر اور مستند کتب سے مدد لی گئی ہے وہ فہرست ماخذات سے ظاہر ہے۔ متعدد گمنام شعرا کا پہلی مرتبہ ادبی طبقے سے تعارف کرایا گیا ہے۔

حصۂ اول صرف شعرائے قدیم کے حالات پر مشتمل ہے۔ اگر میری اس ادبی تالیف کو شرفِ پذیرائی بخشا گیا تو سلکِ گہر کا حصۂ دوم شعرائے جدید بھی عنقریب شائع ہوگا جو زیرِ تالیف ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے ادبا میری پُرخلوص ادبی خدمت کا خیر مقدم کریں گے۔

ممکن ہے بعض قابلِ ذکر شعراء میری عدمِ واقفیت کے سبب شریکِ تذکرہ نہ ہو سکے ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسری اشاعت میں اس کی تلافی کر دی جائے گی۔

۲۸-جون ۸۸ء
برہان پور، ایم، پی۔

خادم اُردو
جاوید انصاری

انتساب

میں اس تالیف کو حضرتِ خیالی برہان پوری (مرحوم) کے اسمِ گرامی پر معنون کرتا ہوں جن کی علمی و ادبی خدمات اہلِ سی پی کے لیے سرمایۂ فخر و ناز ہیں۔

جاوید انصاری
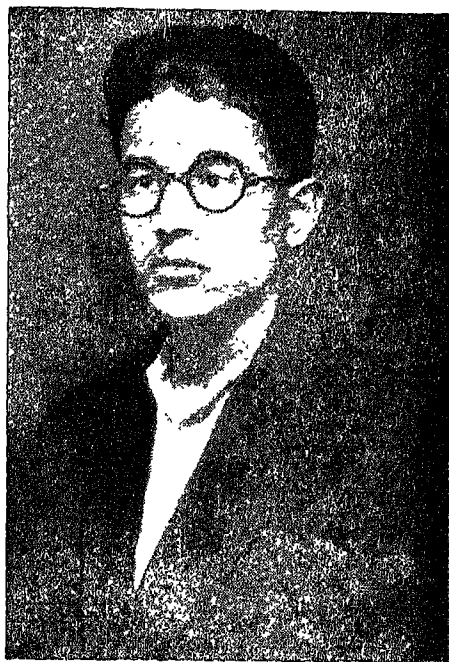
جاوید انصاری

ماخذات

شمار	نام کتاب		مصنف
۱	مآثرِ رحیمی	فارسی	عبد الباقی نہاوندی
۲	سروِ آزاد	”	علامہ آزاد بلگرامی
۳	چمنستانِ شعراء	”	شفیق اورنگ آبادی
۴	عقدِ ثریا	”	شیخ مصحفی
۵	گلِ عجائب	”	اسد علی تمنا اورنگ آبادی
۶	تذکرۂ علمائے ہند۔	”	مولوی رحمان علی صاحب
۷	زبدۃ المقامات	”	سید ہاشم کشمی برہان پوری
۸	نکات الشعراء	”	میر تقی دہلوی
۹	تذکرۂ شعرائے اردو	اردو	میر حسن دہلوی
۱۰	تذکرۂ شعرائے دکن	”	عبد الجبار آصفی ملکاپوری
۱۱	تحفۃ الابرار	”	مرزا آفتاب بیگ دہلوی
۱۲	تذکرۂ گلزارِ سخن	”	جگن ناتھ پرشاد فیض ناگپوری
۱۳	مخزنِ نکات	فارسی	قائم چاندپوری۔
۱۴	گلشنِ ہند	”	مرزا علی لطف

شمار	نام کتاب		مصنف
۱۵	تذکرۂ گلشنِ گفتار	فارسی	خواجہ خان حمید اورنگ آبادی
۱۶	جواہرِ ہاشمیہ	اردو	مولانا اختر محمد خان برہان پوری
۱۷	قاموس المشاہیر	〃	نظامی بدایونی
۱۸	تاریخ برہان پور	〃	مولوی خلیل الرحمٰن برہان پوری
۱۹	اردوئے قدیم	〃	حکیم شمس اللہ قادری
۲۰	مقالاتِ ہاشمی	〃	نصیر الدین ہاشمی
۲۱	اردو شہ پارے	〃	ڈاکٹر محی الدین صاحب زور
۲۲	نقوشِ سلیمانی	〃	مولانا سید سلیمان ندوی
۲۳	اردو کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام	〃	مولوی عبدالحق صاحب
۲۴	ہندی کے مسلمان شعراء	〃	عبداللہ بٹ صاحب لاہوری
۲۵	کلمات الشعراء	فارسی	محمد افضل سرخوش
۲۶	مآثر الامراء	〃	شاہ نواز خاں
۲۷	خزینۃ الاصفیاء	〃	مفتی غلام سرور لاہوری
۲۸	خزانۂ عامرہ	〃	علامۂ آزاد بلگرامی
۲۹	بہارستانِ خیال (قلمی)	اردو	حضرتِ خیالی برہان پوری
۳۰	یادگارِ نظامی	〃	نظامی صاحب جبل پوری

شاہ باجنؒ

شیخ بہاؤالدین باجنؒ برہان پور کے مشہور اولیائے کرام سے ہیں۔ آپ کے زمانے میں دکن کے ہزارہا طالبانِ حق نے آپ سے فیضِ باطنی حاصل کیا شاہ صاحب کے حلقۂ ارادت میں شیخ علی متقی اور شیخ عبدالوہاب جیسے مایۂ ناز عالم و فاضل اصحاب گذرے ہیں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت زید ابن خطاب برادر حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ سن ولادت ۷۹۰ھ ہے ۱۲ سال کی عمر میں ریاضت اور طریقِ درویشی اختیار کیا۔ بعد ازاں شیخ عزیز اللہ متوکل سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت حاصل کی جو صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ شیخ باجنؒ عرصے تک عرب و ایران کی سیاحت کرتے رہے۔ جب واپس آئے تو آپ کے مرشد رحمت حق سے واصل ہو چکے تھے۔ حسب وصیت خرقۂ خلافت آپ کو حاصل ہوا۔ شاہ صاحب نے برہان پور میں مستقل سکونت اختیار کی اور عرصے تک آپ بندگانِ خدا کو ہدایت فرماتے رہے آپ کی تصنیفات سے خزائنِ رحمت یادگار ہے جس میں اپنے مرشد کے ارشادات اور ملفوظات تحریر کئے ہیں۔ آپ نے ایک سو بائیس ۱۲۲ سال عمر پائی تھی۔ ۱۲ ذی قعدہ ۹۱۲ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزارِ اقدس برہان پور کے محلہ شاہ بازار میں اب تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ شاہ صاحب باجن

تخلص کرتے تھے فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے

نمونۂ کلام

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مندل من میں دھمکے رباب رنگ میں جھمکے
صوفی ان پہ ٹھمکے یوں باجن باجے رے
اسرار چھاجے

※

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا باجن جیوڑا وار کے سر آکیں دھریا

※

روزے دھر دھر نماز گزاری دینی فرض زکوٰۃ
بن فضل تیرے چھوٹنگ ناہیں آکیں مکہ میں بات

※

شاہ منصورؒ

آپ کے والد ملک جلال صاحب عیناً عادل شاہ فاروقی والیٔ خاندیس کے عہد میں عہدۂ وزارت پر مامور تھے۔ آغازِ شباب سے ہی آپ کا دل عبادتِ الٰہی کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ آپ شاہ نظام الدین بھکاریؒ کے

حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے اور خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے۔ ایک روز آپ کے مرشد شاہ بھکاری صاحبؒ وضو کر رہے تھے آپ بھی وہاں موجود تھے جب شاہ بھکاری صاحبؒ وضو کر چکے تو آپ نے ظرفِ وضو کا پانی اُٹھا کر پی لیا اُسی وقت موصوف پر جذب و اضطراب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ شاہ بھکاری صاحبؒ نے دو خادم آپ کے ساتھ کر دیئے تاکہ طہارت اور اوقاتِ نماز کا خیال رکھیں۔ شاہ منورؒ نے سو برس کی عمر پائی تھی۔ ۲۶۔ ربیع الثانی ۱۲۵۰ھ میں عالمِ جاودانی کو سدھارے آپ کا مزارِ اقدس برہان پور کے محلہ خیراتی بازار میں مرجعِ خاص و عام ہے شاہ صاحبؒ فارسی زبان میں شعر کہتے تھے۔ آپ کا کلام تصوف کے مضامین سے معمور ہوتا تھا۔ یہ چند اشعار تبرکاً ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

غزل

بدنیا گر شوی دشمن ترا حق یار خواہد شد　　باہمیاری دگر بکن کز تو خدا بیزار خواہد شد

تو روز و شب بمال و جاہ مغروری ز و غافل　　کہ جاہت پاہ خواہد گشت و مالت مار خواہد شد

سجود آری بہ پیشِ خلق و در باطن پرستی بت　　مصلّے روزِ محشر در برت زنّار خواہد شد

بشہوت در رُخِ خوباں ببیں و ز آتش غسلے کن　　تو ایں نگاہ کی بینی بچشمت خار خواہد شد

بدنیا رو درم مفروش نقدِ وقت را منصور　　ز دنیا ارد و زرخ اکثرت دینار خواہد شد

شیخ علی متقی رح

شیخ علی متقی برہان پوریؒ کا اسمِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں جن اصحاب نے کتب تواریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ شیخ صاحب کے علمی کارناموں سے اچھی طرح متعارف ہیں۔ آپ کے والد عبدالملک ابن قاضی خان جون پور سے برہان پور تشریف لائے اور یہیں مستقل قیام اختیار کیا۔ شیخ صاحب برہان پور ہی میں پیدا ہوئے۔ سنِ ولادت ۸۸۵ھ ہے۔ ۸ سال کی عمر میں آپ کے والد نے شاہ بہاؤ الدین باجنؒ کی بیعت و مریدی سے مشرف کرایا شاہ باجنؒ کی وفات کے بعد آپ نے شیخ عبدالحکیم ابن شاہ باجنؒ کی خدمت میں رہ کر جملہ مقاماتِ سلوکِ چشتیہ طے کئے اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مؤلف تذکرہ علمائے ہند شیخ صاحب کے متعلق تحریر کرتے ہیں

در سال ہفت صد و ہشتاد و پنج ہجری در برہان پور دکن متولد شدہ۔
در ہفت و ہشت سالگی پدرش بخدمت شاہ باجن برہان پوریؒ مرید ساخت
خود بسن آخر عمر نزد ایشان [illegible] بعد وفات پدر [illegible] بصحبت امرا و
سلاطین وقت بسر بردہ در عین شباب [illegible]
شیخ عبدالحکیم ابن شاہ باجنؒ رسیدہ خرقہ خلافت سلسلہ چشتیہ پوشیدہ
مجموع تصانیفش از صغیر و کبیر و عربی و فارسی از صد متجاوز زند۔ تاریخ دوم

جمادی الاولی کی سال نہ صد و ہفتاد و پنج ہجری بمکہ معظمہ رحلت فرمود (صفحہ ۱۴۶)

برہان پور سے ملتان تشریف لے گئے اور حضرت شیخ حسام الدینؒ کی مصاحبت میں دو سال تک رہے۔ اس وقت عشق محمدی سے بے تاب ہو کر زیارت حرمین شریفین کا عزم کیا اور وہاں پہونچ کر اولیائے کرام و علمائے عظام کی خدمت میں علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور شیخ محمد بن محمد سخاویؒ اور ابو مدین مغربی سے طریقۂ عالیہ قادریہ و شاذلیہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا اور مکہ معظمہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ شیخ صاحبؒ عرصہ تک طالبانِ حق کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ علم حدیث اور تصوف میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے علم و فضل اور ولایت و کرامت کے تمام علمائے حجاز معترف تھے۔ جن حضرات کو شیخ صاحبؒ نے منصب خلافت سے سرفراز فرمایا ان میں شیخ عبدالوہاب متقیؒ علامہ ابن حجر مکیؒ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ۔ ابو محمد عارفیؒ اور شاہ محمد فضل اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شیخ علی متقیؒ نے بتاریخ ۲ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں بمقام مکہ معظمہ رحلت فرمائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے مفصل حالات اخبار الاخیار۔ خزینۃ الاصفیا۔ سبحۃ المرجان اور دیگر کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ شیخ صاحبؒ اپنے مرشد شاہ باجنؒ کی طرح کبھی کبھی ہندی زبان میں شعر کہتے تھے۔ ایک دوہرہ جو آپ نے مرض الموت میں کہا ہے وہ بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

من سو سیلی پریم کی باتا
یوں مل رہے جیوں دودھ نباتا

※

عارفی رح

شیخ ابو محمد نام عارفی تخلص تھا۔ میران محمد شاہ کے عہد میں آپ کے والد احمد آباد سے برہان پور آئے۔ عارفی کی ولادت آسیر گڈھ میں واقع ہوئی ۱۱ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور علم کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ شیخ صاحب عرصے تک شاہ جلال ابن شاہ نظام الدین کی خدمت میں رہے اور ان سے فیض باطنی حاصل کیا۔ شیخ جلال کی رحلت کے بعد حج اور زیارتِ حرمین کے لئے روانہ ہوئے۔ جب احمد آباد پہونچے تو وہاں مدت مدید تک شاہ فضل اللہ ابن شاہ محمد کی خدمت میں رہے اور مراتبِ سلوک کی تکمیل کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ زیارتِ حرمین کے بعد آپ برہان پور آئے۔ اور مدت تک یہاں قیام کیا۔ شیخ صاحب نے ۲۳ محرم ۹۹۲ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزارِ مقدس آسیر گڈھ میں قریب مقبرہ شاہ نعمان واقع ہے۔

نمونۂ کلام ہدیۂ ناظرین ہے۔

در غارتِ دل ہیچ بجز یار نہ گنجد ۔۔۔ واندر حرم وصل تو اغیار نہ گنجد

سربازچو منصورؔ کہ در بزم انا الحق — آں کس کہ شود محترز از دار نہ گنجد
در راہِ خرابات چو خواہی کہ درآئی — سرمست بنہ پائے کہ ہشیار نہ گنجد
چوں عارفیؔ از جامہ سالوس بروں شو
در کوئے بتاں جبہ و دستار نہ گنجد

مرزا جانی

مرزا جانی نام جانیؔ تخلص ہے۔ مرزا کا باپ محمد باقی ٹھٹہ (سندھ) کا بادشاہ اور اکبر بادشاہ کا معاصر تھا۔ محمد باقی کی وفات کے بعد مرزا جانی قائم مقام ہوا اور حکمرانی کرنے لگا۔ ابتدا میں مرزا جانی اکبر سے مقابلہ کے لئے مستعد تھا آخر مجبور ہوا اور خانِ خاناں عبد الرحیم سے ملاقات کی ۱۰۰۱ھ میں خان مذکور کے ہمراہ دربارِ اکبری میں حاضر ہوا۔ اور امراء کے زمرے میں شریک ہوا اکبر بادشاہ نے مرزا کو انعام و جاگیر سے سرفراز کیا۔ جب اکبر قلعۂ آسیر کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا تو مرزا جانی ہمراہ تھا۔ برہان پور پہونچ کر ۱۰۰۸ھ میں مرزا جانی کا انتقال ہوا۔ تاریخ طاہری میں لکھا ہے کہ مرزا جانی موضع بہادر پورہ (برہان پور) میں فوت ہوا اور دفن کیا گیا۔ موصوف کی ایک رباعی درج ذیل ہے۔

عشقے خواہم کہ از خودی پاک کند — آب مژہ کہ دہر نمناک کند

پائے کہ بیابانِ امل را سپرد — دستے کہ گریبانِ ہوس چاک کند

*

نوائی

اکبر بادشاہ کے زمانے میں خراسان سے ہندوستان آیا اور عرصے تک شاہزادہ دانیال کا مصاحب رہا۔ صاحبِ دیوان تھا۔ ۱۰۱۱ھ میں بلدۂ دار السرور برہان پور میں فوت ہوا۔ کوئی کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

*

انیسی

قلی بیگ نام تھا۔ انیسی تخلص۔ بغرض سیاحت ایران سے ہندوستان آیا۔ عرصہ دراز تک خان خاناں عبد الرحیم کے سایۂ عاطفت میں رہا۔ ایک مثنوی محمود ایاز لکھنا شروع کی تھی کہ پیغامِ اجل آپہونچا۔ مثنوی ناتمام رہ گئی۔ انیسی کے ذکر میں علامہ آزاد بلگرامی سرو آزاد میں لکھتے ہیں کہ (نکتہ سنج یگانہ ہست و انیسی معنیٔ بیگانہ) انیسی کی وفات ۱۰۱۴ھ میں بمقام برہانپور واقع ہوئی۔ انیسی کے کلام میں حزن و یاس و سوز و گداز کا عنصر غالب ہے۔ اکثر اشعار میں شوخیٔ تقدیر اور زمانے کی ناقدر شناسی کی شکایت ہے

غزل

زمانه دشمنِ من کرد مهربان مرا
بدوستان برسانید داستانِ مرا

متاعِ من ز خریدار دوستی زده شد
چه روز بود که در باز شد دکانِ مرا

بشکرِ قربِ تو بسیار خودنما بودم
رضا بود که بآتش نهی زبانِ مرا

شکسته بال برون آدم ز پردهٔ خویش
زمانه کرد قفس بهرِ من آشیانِ مرا

ز دوست دشمن آنها که بعد ازین هستند
کنند گریه چو گویند داستانِ مرا

چمن چمن ز حدیثم شگفته گل دیدی
کنون خموشیِ من بنگر و خزانِ مرا

هنوز غنچه پا ریشه بر نهالِ من است
امید بادِ سحر نیست گلستانِ مرا

متاعِ من همه بی طالعی و بدبختی است
ز رهزنان خطرے نیست کاروانِ مرا

نشیمِ خلوتِ تنها کنم ابلیسی را
بدستِ من دہد از بخت بدعنانِ مرا

غزل

همه خیانتِ من پیشِ دوستان پیداست
که عیب ساده دل آئینه خردمند است

مرا فروخت محبت ولے ندانستم
که مشتری چه کس است و بہائے من چند است

درون سینهٔ عاشق نهان بود دستے
که پاره سازِ گریبان و بخیه پیوند است

نهالِ حسرتِ من آبِ خضر خورده مگیر
که کنده اند ز بیخ و هنوز برومند است

بهر چه می نگرم هیچم تسلی نیست
نظر بپایهٔ خود کرده مرد خرسند است

چو صحبتِ خویش نیم ہرزہ گردِ ہر جائی ۔۔۔ رہِ من از درِ دل تا درِ خداوند است

وجودش آئینۂ حسنِ دوست شدہ چہ عجب
اگر بناز **الیسی** بنازِ ماند است

مرا دردِ محبت از چمن بیگانہ میسازد ۔۔۔ کہ گل عزمِ سفر کردست بلبل خانہ میسازد
تو با من گر نہ سازی می کشی چندیں ملال از ما ۔۔۔ پس از ما کارِ صد بیچارہ این افسانہ میسازد
بکارِ عشق نادانستم اکنوں عشق میدانم ۔۔۔ گرم ہشیار میداند درم دیوانہ میسازد
مئے از خمخانۂ حسنے کہ امشب میدہد ساقی ۔۔۔ ہوس در چشم دل میگردد و پیمانہ میسازد
محبت عزیز است ارچہ من خوارم غنیمت داں ۔۔۔ کہ شمع آسماں از گردِ رہ پروانہ میسازد
عزیزم لیک در بزمِ کریماں زاں سبب خوارم ۔۔۔ کہ من ہم طالعِ گنجم مرا ویرانہ میسازد

الیسی مور بود اکنوں سلیمانش شد کہ از ما تیش
پری در شیشہ میدارد ارم در خانہ میسازد

غزل

جاں بیک حرفِ وفا بر سرِ پیماں کردم ۔۔۔ تیرے افگندم و خود را ہدفِ آں کردم
از ہنر کام روا نیستم اے دل زنہار ۔۔۔ مکن ایں کار کہ من کردم و نقصاں کردم
دوش مورے زلگد کوبِ ستم می نالید ۔۔۔ یاد فریاد رسی ہائے سلیماں کردم
گفتی ایں کشتۂ بت حسن قبولت ز چہ جا ست ۔۔۔ چہرۂ زلف خود آئینۂ ایماں کردم
من و مجنوں ہم از عشق چو لاف زدیم ۔۔۔ من سیہ بختی خود باعثِ رجحاں کردم

اس شیرین زباں کیست کہ من دوش بخواب	ذرہ را ہمدم خورشید درخشاں کردم
ایں دل سخت کہ از ہیچ گلستاں نکشود	عاقبت بردم و قفل درِ زنداں کردم

※

متفرق اشعار

سریم ما غم تو ہر نفس بجانہ خویش	چنانکہ مرغ بر دخس بآشیانہ خویش

※

یادگار ما دریں عالم بسیار ماند	رفت اگر آتش نشاں دود بر دیوار ماند

※

خبر گل مرسانید بہ مرغانِ چمن،	کس چرا مژدۂ نوروز بزنداں آرد

※

قاصدا دائے نامہ تو اند نہ حرف شوق	حیف از زباں کہ بال کبوتر نمی شود

※

کفری

میر حسین نام کفری تخلص۔ ساداتِ خراسان سے تھا۔ فنِ انشا میں مہارت کامل حاصل تھی خصوصاً خطِ شکستہ نہایت عمدہ لکھتا تھا۔ عالم جوانی میں نوعی جنوشانی کے ہمراہ خراسان سے ہندوستان آیا۔ چند روز نواب

سید یوسف خاں مشہدی کی ملازمت میں بسر کئے۔ بعد ازاں شاہزادہ دانیال کے سایۂ عاطفت میں مدت تک رہا۔ شاہزادے کے انتقال کے بعد خان خاناں عبدالرحیم کی مصاحبت سے سرفراز ہوا۔ خان موصوف کے ذریعہ شہر برہان پور میں منصب دار شاہی پر مقرر ہوا۔ بارہا خان خاناں کی مدح میں قصائد لکھے اور انعام و اکرام سے مشرف ہوا۔ [illegible] بمقام برہان پور وفات پائی۔

رباعیات

در مدح اعظم خاں

اے گوہرِ حور زآئینۂ بارگہت ویں ظلمتِ شب نشانِ گردِ رہت
یعقوب ز مصر و موسیٰ از طور نیافت آں بہرہ کہ من یافتم از خاکِ درت

*

اے خاکِ درت تاجِ اہلِ کمال بادا ہمہ آرزو بکامت مہ و سال
آنی تو کہ در عہدِ سخایت گردید بر خاطرِ خواہندہ فراموش سوال

*

خورشیدِ جہاں نور زرایت گیرد اقبالِ شرف ز خاکِ پایت گیرد
تپ را چہ گناہ خود بلطفش خواندی گو نیز تمتع از عطایت گیرد

اے عہد تو دل کشا تر از نشۂ مُل وے خلق تو جاں فزائے چوں نکہتِ گل

باکین تو سرمایۂ شادی ہمہ غم بے مہر تو اندیشۂ عزت ہمہ ذُل

غزل

ہمہ در حاجتِ ارباب وفا بکشایند خاں میاں ہم در میخانۂ ما بکشایند

در و محرومی عاشق نپذیرد درباں گر ملا یک کفِ حاجت بدعا بکشایند

لفظ و معنیش ثنا و رسمہ در خوں یابند بے تو ہر حرف کہ از صفحۂ ما بکشایند

ذرہ بر ذرہ ثنا گوئے بہارش یابند عارفاں گر ہمہ اجزائے گیا بکشایند

گر ز محنت گلہ داری مکن اندیشۂ عشق کیں طلسمے ست کہ بر غمزدہ ہا بکشایند

عاشقاں را اثر بوئے تو ہر شام و سحر سینہ ہا بر نفسِ بادِ صبا بکشایند

در قفس حسرت بسیار برد مرغِ چمن گر اسیراں لبِ خاموش بدعا بکشایند

نوعی

محمد رضا نام نوعی تخلص۔ ابتدا میں شاہزادہ دانیال کے دامنِ دولت میں پرورش پائی۔ شاہزادہ مذکور کی وفات کے بعد عرصہ مدید تک خان خاناں عبدالرحیم کی مصاحبت میں رہا۔ خان موصوف کی مدح میں قصیدے لکھے۔ ایک مرتبہ دس ہزار روپیہ نقد و خلعت فاخرہ [illegible] فیل پایا۔ بعد

اسپ عراقی صلۂ شعر میں پایا۔ نوعیؔ کے متعلق علامہ آزاد بلگرامی اپنی کتاب سروِ آزاد میں رقم طراز ہیں نوعِ کلامش جنسِ عالی ست و رشتۂ اقلامش لآلی۔ نوعیؔ کے متعلق ایک اہم واقعہ سروِ آزاد میں درج ہے، وہ یہ کہ

اکبر بادشاہ کے عہد میں آگرے کے مسقف بازار سے ایک ہندو نوجوان مع اپنی عروس نو کے گزر رہا تھا۔ اتفاقاً بازار کی چھت منہدم ہو گئی اور نوجوان دب کر ہلاک ہو گیا۔ عروسِ نامراد نے جو نہایت حسینہ و جمیلہ تھی اپنی مذہبی رسم کے مطابق ستی ہونے کا قصد کیا۔ اکبر بادشاہ نے اس امر سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی اور انعام و اکرام کی امید دلائی۔ مگر وہ بدنصیب باز نہ آئی اور اپنے شوہر کی لاش پہ پروانہ وار جل کر قربان ہو گئی۔

شاہزادہ دانیال اس واقعہ سے بہت متاثر ہوا اور نوعیؔ سے واقعۂ مذکور کو نظم کرنے کی فرمائش کی۔ حسب ارشاد نوعیؔ نے اس منظر جاں سوز کی یاد میں مثنوی سوز و گداز لکھی۔

نوعیؔ نے سنہ ۱۰۱۹ھ میں دارالسرور برہان پور میں انتقال کیا۔ صاحبِ دیوان تھا۔ انتخابِ کلام درج ذیل ہے۔

در صفتِ شراب

بیا ساقی اے جانشینِ کسے — کہ ماہِ تو آمد ز راہِ خسے
بہ بیں دست تو نایبِ دستِ کیست — چنیں دست در آستیں بہرِ چیست
برآرائے سلیمانِ ساغر نگیں — کف چوں گل از غنچۂ آستیں
بآں دست و ساغر درودے فرست — ز پیشانیِ دل سجودے فرست
تبسم گہ شیشہ را باز کن، — شکر خندہ صبح گو ناز کن،
چہ شیشہ سہی سرو باغِ بہشت — نہ دورش مرصع ایاغِ بہشت
شراب و گل سبزہ پیرایہ اش — سحابِ سخن خفتہ در سایہ اش
بدہ ساقی آں مے کہ ابہامِ اوست — لبِ تشنہ پروانۂ نامِ اوست
شرابے کہ از دل برد بے ہوس — فروغش کند شعلہ جاروبِ خس
ہما سایہ در نورِ آں گم کند، — چو شبپرہ کہ روز آشیاں گم کند
دل از غم لب از توبہ زنگار بست — خمارم برخ رنگِ ہستی شکست
رخے را کہ رنگش چو سہ شد دو نیم — باعجازِ مے وصل کن اے کریم

غزلیات

ایں گل دیر تشنۂ ات شبنم جانفزائے گل
خاک تو خونِ بلبلاں آب تو خوں بہائے گل

ہر کہ سر از ہوائے تو میکدۂ طرب کند
دودِ دماغِ دل شود در سرِ او ہوائے گل

عمر بباغبانیم صرف شد و از شرمِ تو
دست زد بباغِ من نشد محرمِ آشنائے گل

شب کہ حبابِ اشکِ من بر سرِ مہر خیمہ زد
جذب نکرد شبنمے دامنِ کبریائے گل

تائبِ مفلسی بود بادہ بیادِ گل بخور
توبہ بود بہائے مے بادہ بود بہائے گل

بلبلِ دستِ ساقیم کز کفِ او زلالِ مے
دیدہ فریب تر بود زآبِ رواں بپائے گل

غیرتِ مدحِ صاحبم دشنہ بلب زند کہ ہاں
سلسلِ خانہ زاد را چند غزل سرائے گل

اے دلِ شاہدِ چمن والۂ عہدِ دولتت
موسمِ گل فدائے تو عہدِ خزاں فدائے گل

بہ بہار رحمتی ہم زشگفتِ صنعِ تو
آب گرہ گر صدف بادہ گرہ کشائے گل

گلبنِ نوچمن تو ئی ہم بتو راجع است و بس

شاعر و مرغ و باغبان ہر کہ کند ثنائے گل
نوعیم و شکستہ در خلوتیان قدس را
گے در باغبان زند فطرتم از برائے گل

غزل

خمار بادہ گر از توبہ ام پشیمان کرد
خوشم کہ توبۂ من نرخ بادہ ارزان کرد

زمانہ آیت ترکِ شراب بر من خواند
چنانکہ منع سکندر ز آب حیوان کرد

چو دزدِ شب کہ نیاید برون ز خانہ برون
خمارِ خانگیم شرمسارِ مستان کرد

کسے کہ داد مرا توبہ بے اجازتِ دل
درونِ سینۂ من توبہ را بزندان کرد

مرا کہ فطرتم از خانہ پا برون ننہاد
غمِ تو مرحلہ پیمائے صد بیابان کرد

کسے کہ بر سرِ خم ماسنگِ توبہ زد تو بگی
بتے شکست و کہن کافرے مسلمان کرد

بہار با گل و مئے با خمار دیدہ نکرد
ہر آنچہ بادلِ ما فیض خان خانان کرد

غزل

تا بہ آسمانی زمین رنگِ جہان یکرنگ باش
شاد زی در غنچگی چون گل شدی دلتنگ باش

بے قبول عام و ردِ خاص شود نرگس مرنج
صلح کل کن ورنہ دائم با فلک در جنگ باش

رقتِ قلبم صفائے جبہ شد بخشد شراب
تو بگو پروانہ ایں آب آتش رنگ باش

جہد کن تا ناخنِ پا بشکنی در سنگِ طور | صد ہزاراں کعبہ گو پامالِ ہر فرسنگ باش
چشم و دل نوعی شود تا ساغرِ صہبائے فیض | ہمچو صبحِ صادق و آئینہ بے زنگ باش
خانِ خاناں را چو حل نا دیدہ می بایستِ بود | اے کہ دیدی لب بہ بند و گوش بر آہنگ باش
بلبلاں در وصفِ گل منقار در خوں می زنند | باغباں گلہا بگو مداح بو و رنگ باش
گر فلاطوں رفت و اسکندر بشد عمرِ تو باد | تا ابد مسند نشینِ دانش و فرہنگ باش

سجدہ تا در سر ملائک را بسر دیہیم نہ،
پویہ دریا تا کواکب را تو پرا و رنگ باش

جسمی

کمال الدین نام جسمی تخلص۔ آبائی وطن ہمدان تھا۔ تعلیم و تربیت بھی وہیں پائی۔ فنِ شاعری میں نواب سلطان العلماء و برہان العرفاء میرزا ابراہیم ہمدانی سے شرفِ تلمذ رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ علمِ سیاق و حساب، فنِ انشاء اور موسیقی میں بھی ماہرِ کامل تھا۔ شاہانِ صفویہ کے دور میں جملہ ایرانی شرفاء اور اُمراء پر شرفِ امتیاز حاصل تھا۔ خانِ خاناں کی قدر شناسی و سخن فہمی کی شہرت سُن کر ۱۰۱۱ھ میں ہمدان سے ہندوستان آیا اور خان موصوف کی خدمت میں باریاب ہوا۔

اثنائے راہ میں خان اعظم کی تعریف میں جو قصائد موزوں کیئے تھے سُنائے تحسین و تعریف اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوا۔
جستہی عرصۂ دراز تک بُرہان پور میں خان خاناں کی ملازمت میں مشرف رہا۔

نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

قصیدہ در تعریف عمارت بُرہان پور

این خانہ منزلِ طرب جلوۂ عشرت است
ماوائے خرّمی و مکانِ فراغت است

این خانہ نیست منبعِ خلق است و مردمی
این خانہ نیست معدنِ لطف و مروت است

صہبا درو لطیفہ خونِ تعدی است
شمع اندرو الشعۂ نور و فتوت است

ہم ساغرش مقرِّ حیات و ملوہیت
ہم کنگرش نشیمنِ شہبازِ دولت است

مشہور از جوالیش انوارِ غیبی است
مکتوب بر کتابتش آیاتِ رحمت است

صحنش ز فرشہائے ملوّن مرصع است
سقفش ز طرحہائے مکرّر مثبت است

از کبریائے مرتبۂ فرش و سقف او
بر دوش آسمان و زمیں بارِ منت است

سقفش کہ سدرہ خاک نشین است بر درش
پا بر فلک نہادہ کہ معراجِ رفعت است

فرشش کز آں صحیفہ ارژنگ نسخہ ایست
خط بر ارم کشیدہ کہ مشہورِ نزہت است

گوئی کہ آستانہ اش از رفعِ احتیاج
پیشانیِ کشادۂ اربابِ ہمت است

منعِ حجاب نیست دریں آستانہ رسم
گر حاجبی کہ مبنی تصحیف حاجت است

ہر مصرع از کتابت ایں منزلِ شریف
در دستِ روزگار ز اقبال حجت است

ہر خشت از بنائے ہمایون ایں سواد
در چشمِ عقل دفتر از علم و حکمت است

در بازش چوں در دلِ حبیب بروئے خلق
گوئی کشود دامن ابوابِ عزت است

مسند گہ بزرگی و اجلال صاحب است
کش چرخ آرزو کش تقبیلِ حضرت است

نواب خان خاناں کش آستانہ جاہ
آرام گاہ دولت و ماوائے نصرت است

آں عرش بارگاہ کہ از انبساطِ خلق
صف نعال مجلسِ او صدر جنت است

آں سدرہ آستانہ کہ از کبریائے جاہ
خاں ریزۂ سوادِ او قوت حشمت است

نامِ مخالفاں را از خط عنبر بیختش
گوئی عبیر ہمیشہ لباسِ مصیبت است

طبع مخالفاں را ز لفظ شکر بیختش
پنداری التذاذ بانواعِ لذت است

یا رب مدام مرجع جاہ و جلال باد
ایں کعبہ را اساس ز اجلال و حشمت است

یا رب ہمیشہ مسکن حظ و حضور باد
کیں خانہ را بنا ہمہ بر عیش و مسرت است

اے بوالہوس برو بہ سرے کوے عافیت
ایں جا قدم منہ کہ سرائے محبت است

جبسی ازیں مقام فرح بخش دل کشا
بیروں مرو بہ ہرزہ کہ فرصت غنیمت است

رباعیاتِ تاریخی عمارتِ برہان پور

این خانہ کہ بر نشاط دارد بنیاد
خالی ز نشاط و عیش یک لحظہ مباد
چوں جنّتِ ثانی ست کہ آباد شدہ ست
تاریخش شد جنّتِ ثانی آباد
۱۰ ۵ ۲۳

※

اے دل ز تو بہر قدرت مست و مسرور
وز روئے تو دیدہ غرقۂ لجّۂ نور
دریاب کہ تا ترا رساندست ایں جا
جاں آمدہ است بر لبِ برہان پور

※

غزل

گیاہ درد و غم از مزرع افلاک میروید
نہالے کش بود بر بار دل زین خاک میروید
شرر چشم شعلہ انگیزی کند آہم شرر ریزی
نہال وادی ایمن چوں برگ تاک میروید
نہ رنگ عافیت دارد نہ بوئے خرمی بخشد
گلے کز آب خاک این دل صد چاک میروید
بجا لطف آں قدر سر گشت تخم ابر بخشایش
کہ خاشاک عجب دارم اگر زیں خاک میروید
مکن زیں خاک درد دل اگر توفیق میخواہی
کہ زہر ایں جا اگر کارد کسے تریاک میروید
مرا از التفات خان خاناں بعد ازاں حبیبی
چراغ از باد میسوزد گل از خاشاک میروید

قادری

مولنا قادری قاضی عبدالحمید صاحب پانی پتی کے فرزند تھے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم و فاضل گذرے ہیں۔ مولنا قادری کے اجداد شیخ امان اللہ صاحب بھی جیّد عالم صوفی اور درویش تھے۔ پانی پت کے اطراف میں شیخ صاحب کے ہزارہا مریدین و معتقدین تھے۔ قادری شعرائے قدیم کے پیرو تھے۔ آپ کی شاعری جذبات عاشقانہ و عارفانہ کا مجموعہ تھی۔ ۱۰۲۴؁ھ میں دارالسرور برہان پور آئے اور خانِ اعظم کے زمرۂ ملازمین میں داخل ہوئے۔ خان ممدوح کی تعریف میں جو مدحیہ قصائد لکھے ہیں وہ بلندئ تخیل حسنِ بلاغت اور جدّت بیان کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ قادری مدت دراز تک خان موصوف کے دامن دولت سے ہی وابستہ رہے اور انعام و اکرام سے بہرہ در ہوتے رہے۔

انتخاب کلام حسب ذیل ہے

قصیدۂ مدحیہ

بازوقت است کہ در عرصۂ پامالِ خزاں	نوبہارِ ظفر شاہ نماید جولاں
نغمۂ فتح و ظفر ساز دہد بے شبہہ	بر سرِ سرو علم فاختۂ خوش الحان
خور نشاں گرد دماہ علم از تابش تیغ	گل فشاں گرد دباد ظفر از شاخ کمان

ملک را بارِ دگر تازگی دست دہد
بر لبِ جوئے ظفر شاخ زند شاخِ کماں

باد بُرّندہ شود اسپ بگاہِ پویہ
شیر درندہ شود مرد بگاہِ جولاں

داغ داغ از گذرِ تیر شود جوشنِ خصم
باغ باغ از اثرِ فتح نماید میدان

جام مَے گردد در پائے گراں بارِ رکیب
شاخِ گل گردد در دست گراں بارِ عناں

ہیبتِ اقبالِ شہ و تیغِ خداوند ظفر
رو دہا شد کہ دہد ملکِ دکن را ساماں

خانِ خاناں کہ بتعظیم بزرگیش فلک
باز گیرد چو کواکب حرکات از دوراں

در نہادش اثرِ مردی و آثارِ قبول
ہمچوں با چرخِ نجوم است و چوں بر تواں

زائچۂ پرسی خبرت باز دہد گفتنِ من
لوحِ محفوظ ہمی دارد بر جائے زباں

اے کہ چوں تو نتواں بود بروئے گیتی
وے کہ چوں تو نبود زیرِ سپہرِ گراں

روزِ بزمِ تو ندیماں ہمہ موجِ دریا
روزِ رزمِ تو سواراں ہمہ گردِ میداں

روزِ رزمِ تو کہ آں روز نشانِ اجل است
ہر کہ آمد ز پئے جنگِ تو بربستہ میاں

آں چناں تیغِ تو شد یار میانش کہ نشد
دستِ عاشق بہ میانِ بتِ مشکیں چوگاں

گاہ کیں تازی و ہنگامِ سبکتازیِ تو
آسماں باز بگرداند از راہ عناں

واں کمندِ تو کہ بر گردنِ بدخواہ زند
دستِ تدبیر پئے مصلحتِ ملک رواں

آں چناں تنگ بہ بر گیردش از مہرِ وسے
کہ بروں بردہ از مہرِ دلش گوہرِ جاں

از تفِ تیغِ تو دشمن نتواند رستن،
فی المثل گر چو سمندر شود آتش خفتاں

آں دلیری تو کہ در روزِ گراں سایۂ تو
بر زمیں در شود از بیم ہمی کوہِ گراں

تیغ در جنگ نگیرد بکف اعدات ز بیم
زانکہ قبضہ بکفش نیش زند چوں کژدم
خستۂ تیر ترا دور نگردد دست شمار
رزم را چوں تو ندیدست کسے دشمن مال
آں جواد تو کہ بر نقش کف دست تو نیست
نیست ممکن ز عطائے تو اگر شرح دہم
بہر جود تو سلم سیم جہاں دادہ بفقر
گہر افشاں شود از زرہ بہوا بربرد
خوار تو باشد از سایۂ خورشید برت
گر کسے لاف سخائے تو زند نیست گزاف
عنصری نیست کہ تشریف تواش دربر نیست
ہند را جملہ بگردیدم و نادیدہ نماند
نیست ہمتائے تو در ہند چہ ایراں چہ روم
باغبانی تو ایں اہل سخن سرو سمن
صاحباں ایں رہا نہ جور فلک رفتہ زکار
آرزو داشت کہ چوں مریم بوسد یکبار
بخت کردش مدد و عمر امانش بخشید،

تیر در زرہ نہ نہد خم نہ دہد پشت کماں
زانکہ سوفار بنانش گزد چو ثعباں
کشتۂ تیغ ترا چرخ نداد ست اماں
بزم را چوں تو ندیدست کسے سیم فشاں
رشک امواج بحاری کہ دہد دُر بکراں
کہ بصد قرن نگیں بود بزیر دساماں
زانکہ سوداگر جود تو ندیدست زیاں
نیست بیفائدہ در بزم تو از شمع دخاں
آنچہ صد سال خورشید فرازآرد کاں
نسیۂ جود تو بہ باشد از نقد شہاں
زیر دیبا شدہ از لطف تو تا آب رواں
ہیچ دانا دل بخشندۂ خورشید تواں
کافرم گر چو تو یک کس بجہاں یافت تواں
تربیت از تو بدیدند چو کشت از دہقاں
نگر الطاف تواش باز خرد از حدثاں
آستاں تو کہ نہ چرخ نہاں ست دراں
تا بایں دولت فراشت سرا کون و مکاں

آرزوئے دگراں بود کہ در خدمت تو
شکر کز آرزوئے خویش نہ گشتم نومید
سرو را گرچہ عیان است یکے شرح دہم
ذرہ خاک نشین است و ہوائے خورشید
کے رسد دستم بہ عرش اگر بر گذرم
سایہ را بار بخلوت گہ خورشید نشد
خواستم بودن چندے بدرت چوں سایہ
چند ازیں گونہ بیالائیم خسارہ سخن
آستان تو بلند است و مرا تخصیص حقیر
آں بہ از حضرت تو کام روا گردیدہ
در بہ از لطف تو تشریف چو خورشید منیر
مہر و مہ فاتحہ دار از پس یکشم بشتاب
تا مسافر خبر تازہ برد ز اہل کرم
ذکر خیر تو باطراف جہاں باد کہ ہست
تا نہ خیزد گہر و لعل بہ گیتی تیرہ
تیرہ باد اول بدخواہ تو چوں شام امل

تازہ سازد ز بہیج تو ہمی جان رواں
از درت کار زوئے ہر دو جہان است
نسبت خویش باین در کہ فلک و سماوات نشاں
شبنم روئے گیاہ است و خیال عمّان
از عطارد چہ بہ کلک و چہ بہ نطق و چہ بیاں
کے بود بار مرا بر درت اے مہر مکاں
لیک چوں سایہ بہ ترسیدم از نام و نشاں
بر زیں ودکہ چوں مہر عیان است و جہاں
دست بیہودہ چہ یازم بہ فلک چوں طفلاں
ہمچو صیت کرمت سر بہ نہم گرد جہاں
زیر زیں اسپ ز جود تو چو چرخ گرداں
سیم و زر برد ز بلبل و حبیب مدحت بہ زباں
چوں صبا بوئے گل از باغ باطراف جہاں
گوش را لنغز ترا ز صوت وصال جاناں
تا نہ گردد گل خورشید بدیں سہ زباں
تازہ باد ارج خدام تو چوں صبح زماں

خانِ خاناں کے انعام والطاف کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے

باز چوں گرگ دوں بساماں می روم　　　ہمچو دریا دُر بداماں می روم
مژدہ با دلہائے دوستاں کز فیض بحر　　　دُر فشاں چوں ابرِ نیساں می روم
دامنے پُر از گل و ریحان تو　　　چوں صبا از سیرِ بستاں می روم
باز پرس از من کہ از جودِ کدام　　　ایں چنیں شاداں و خنداں می روم
کاں بجیب و بحر در دامن رواں　　　از عطائے خانِ خاناں می روم
زانکہ ما تم خاتم است و خوش نگیں　　　تا ازاں صدرے سلیماں می روم
تا کہ تشریف قبولش یافتم　　　با فلک دست و گریباں می روم
مرکبے دارم ز جودش زیر راں　　　بر فراز چرخ گرداں می روم
از گہرہائے مدیحش ہمچو کاں　　　پُر کنار و جیب و داماں می روم
با نوائے تازہ از درگاہِ او　　　از گلستاں چوں ہزاراں می روم
شرم بادش ہر کہ گوید از درش　　　کفِ تہی چوں شخصِ عصیاں می روم
من نہ اندک جودِ او چوں آفتاب　　　تا بمغرب گوہر افشاں می روم
رفتنم از درگہِ او بیدانشی است　　　من نہ بے دانشم زاں می روم
می روم از درگہش رو بر قفا　　　ہمچو بلبل از گلستاں می روم

قادری خوش بے تقسیم گزد رش

بہمو وج از روئے عماں می روم

رباعیات

اے مبدعِ جود روزگار شادی | کز بحر کفت چوں موج خیزد وادی
گر دانشِ تو معلّم دہر شود | طفل از مکتب نجوئیے آزادی

اے کز درت آفتاب خواہد زنہار | پیوستہ درو سپر باشد ذوّار
درگاہِ تو کعبہ ہست و ما زوّاریم | زوار ز کعبہ باز گردد ناچار

اے جملہ جہاں را بحریم تو امید | بر درگہِ تو کمینہ درباں جمشید
تا قصرِ سپہر روشن از مہر بود | یاد از تو ایں قصرِ چرخ از خورشید

جعفر

نام مرزا جعفر بیگ تخلص جعفر بدیع الزماں قزوینی کا فرزند تھا۔ اکبر اور جہانگیر کے عہدِ حکومت میں آصف خاں کے خطاب سے ممتاز و معزز ہوا۔ فنِ شاعری میں کامل تھا مثنوی شیریں خسرو اس کی

تصنیف سے یادگار ہے۔ ۱۰۲۳ھ میں برہان پور میں وفات پائی۔ کسی شاعر نے تاریخ کہی۔ صد حیف از آصف خاں

در بادِ صبا بوئے کسے ہست کہ گفتی	چشمے کہ ندارد برہ قافلہ دارد
درستی ہمہ کس در شکست پندار گیا	شکست رفت کجا و دل شکستہ کجا
شہر گنجائش غمہائے دل ما چو نداشت	آمد و بند ہوائے دل ما صحرا را
ہزار بلبل شوریدہ خاک شد جعفر	ہنوز رسم خود آرائی چمن باقی ست

ملا حیاتی گیلانی

خان اعظم عبدالرحیم کی ملازمت میں جو شعراء مشرف تھے۔ ان میں ملا حیاتی کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ شاعر مذکور جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں اپنے وطن مالوف گیلان سے ہندوستان آیا اور حکیم ابوالفتح گیلانی کے توسل سے دربار شاہی میں رسائی حاصل کی۔ مدت دراز تک اکبر بادشاہ کی مصاحبت میں سرفراز رہا۔ اور

انعامات اور جاگیر سے بہرہ اندوز ہوا۔ جب خانِ خاناں تسخیر دکن کے لئے روانہ ہوا تو ملا حیاتی بھی ہمراہ چلا آیا اور برہانپور آکر سکونت اختیار کی... اسی شہر میں ایک دل کشا عمارت بنوائی اور اس سے متصل ایک عالی شان مسجد بنا کی علاوہ ازیں بیرونِ شہر ایک وسیع باغ بھی تعمیر کیا مصنف مآثر رحیمی رقم طراز ہے

در جمیع مہمات و فتوحات دکن در خدمت ایشاں (خان خانان) جاں سپاریہا نمود۔ و محرمِ بزم و رفیقِ رزم بود و بسبب توجہ ایشاں توطن برہان پور اختیار نمود۔ و منزل دل کشا و مسجدے عالی در جنب آں بنا نمود۔ و مدتِ دہ سال یا بیشتر بریں ہو بہ توقف نمود۔ و باغ نیز در ظاہر ایں شہر بنا نمود۔ الحال کہ سنہ ۱۰۲۵ھ بودہ آں عمارات آبادان ہست۔ و بنام نامئ ایشاں اشتہار داد۔

خانِ خاناں کے دربار میں ملا حیاتی کو جو رسوخ حاصل تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خانِ خاناں بذاتِ خود اس کے مکان پر قدم رنجہ فرماتے تھے۔ ملا حیاتی نے بیشتر حصۂ عمر خانِ موصوف کی خدمت میں بسر کی۔ اپنے حسنِ خدمات اور جذبۂ خلوص کی بنا پر خانِ اعظم کے دل میں خاص جگہ حاصل کر لی۔ جملہ مہمات اور فتوحات دکن کے دوران میں خان خاناں کے ہمرکاب رہا۔ بعد ازاں کچھ روز

شہزادہ جہانگیر کی مصاحبت سے مشرف اندوز ہوا۔ بالآخر احمد آباد (گجرات) کی مہم سے فارغ ہو کر دارالسلطنت آگرہ واپس ہوا تو ملا حیاتی نے چاہا کہ باقی عمر بھی خان اعظم کی خدمت میں بسر کردے مگر افسوس اجل نے مہلت نہ دی اور ۱۰۲۸ھ میں بمقام فتح پور (آگرہ) سفرِ آخرت اختیار کیا۔ عبدالباقی نہاوندی مؤلف مآثرِ رحیمی نے "حیاتِ باقی یافتہ" سے تاریخِ وفات برآمد کی۔ مؤلفِ خزانۂ عامرہ حیاتی کا سنِ وفات ۱۰۱۵ھ لکھتے ہیں جو خلافِ قیاس ہے۔

جہاں دارالسرور برہان پور کے اکثر آثارِ قدیمہ دستبردِ زمانہ سے منہدم ہو گئے وہاں ملا حیاتی کی بنوائی ہوئی عمارت بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ مگر شارعِ عام پر ملا حیاتی کی مسجد آج بھی اپنے تعمیر کنندہ کی یاد دلاتی ہے۔ پرانے کھنڈر پر جدید تعمیر ہو گئی ہے۔ مسجدِ مذکور اب تک ملا حیاتی کے نام سے مشہور ہے۔ ملا حیاتی نے جملہ اصنافِ سخن مثنوی، قصیدہ، غزل، قطعات، رباعی وغیرہ میں دادِ سخن دی ہے۔ موصوف کا کلام شکوہِ الفاظ ندرتِ تخیل اور بلندیٔ فکر کا بہترین نمونہ ہے۔

رباعیات

تیغت ملکا ز آب آتش بارد	در معرکۂ صد را بہ یکے بشمارد

مست است کہ خونِ خصم می انگارند | پان میخورد و خمار در سر دارد

ہر شب من و ایں دل و بلائے غمِ تو | با ماہ و ستارہ ماجرائے غمِ تو
لے صبر و نہ دل گذاشت با من کسے | ہرگز نہ شواد آشنائے غمِ تو

غزل

کدام پاکہ دراں کوئے وقفِ داماں نیست | کدام دست کہ آں آفتِ گریباں نیست
ز ساحراں چہ گریزی بہ نیکواں بنگر | کہ ہیچ جادوئے چوں چشمہائے فتاں نیست
بسوئے چشمۂ زمزم نمی رود عاشق | کہ چشمہ سارش غیر از چہ زنخداں نیست
ہر آنکہ از دیدِ دانش گراں بہا نبود | مخر بہ ہیچ کہ بر ہیچ نیز ارزاں نیست
بلہو خویش چہ خوش مولعی چہ پنداری | کہ گرد ہائے ترا جرم لے و تاواں نیست
دریں میانہ ز آزادہ نشاں نہ بود | کہ طوق گردن غیر از رہِ گریباں نیست

چنانکہ حق ادا بش بود چہ داند کس
ہذا نخم آنکہ بکار بہ زمانہ ناداں نیست

ترجیع بند

ساقیا نرخ بیش و کم بر گیر | تو کریمی رہِ کرم بر گیر

کس چہ دارد کہ آں نمی آرد — اینک ایں جان و دل بہم برگیر
زیبِ خونِ عاشقاں بادہ است — بہرہ ز رحمت از حکم برگیر
نے و آرے ہیچ دیں ہیچ اند — نام من زاں میانہ کم برگیر
رہ بجائے نمی برم زیں عقل — از رہِ اندیشہ قلم برگیر
اے بسا کشتہ بید ریغ بہ تیغ — دام از طائرِ حرم برگیر
تیرہ شد ہانکہ تیرہ تر نشود — آئینہ از گزاردم برگیر
کعبہ نزدیک و میر حاج بہ پیش — چہ نشینی ز پا قدم برگیر
لبم از وعظ ریخت آبلہ باز — ساقیا خیز و جامِ جم برگیر
تا بنالم بنالہ کہ مراست — مطربا ہم تو زیر و بم برگیر

کہ کہن مرغ ایں گلستانم
بنوا اے نوی گرو گانم

نازم او آں دوائے درماں را — می برم تا بہ پروردم جاں را
خاکِ آں شہر و آں دیار شوم — کہ بپرورد حسانِ خاں را
خطِ آزادیم غلامیِ اوست — ایں نوشتم نخست عنواں را
ہرچہ جز نقد دوستیش بود — بفشاں آستین و داماں را
من ہماں تشنہ دیم اے ابر — بہ گلِ ما بریز باراں را
گوئی از مہرِ او بپروردند — آب و خاکے کہ بود گیلاں را

باچناں دیدن آں فریب فسوں را　　چوں کنم چوں برم بروں جاں را
تا شود پارہ پارہ چشم او　　عاشقم سینہ و گریباں را
آسماں گو در دکاں بربند　　تو لبے فتنہ روزگاراں را
ہر کسے را ز رنگ و بوئے بہ پیش　　از دم تیغ خانِ خاناں را

نرمیِ ہر کماں ز بازوئے اوست
عدل و انصافِ او ترازوے اوست

زایزدش نو بنو خطاب رساد　　ہر سوالش بصد جواب رساد
گاہ چشمش بسوئے شاہد و گاہ　　دست در زلفِ نیم تاب رساد
آسمان را بسعیِ خدمت او　　دل بدل جاں بجاں شتاب رساد
ہرچہ زاندازہ زبان بیاں　　یک نشاں آں بانتخاب رساد
نہ گوئے را کہ اوش شیفتہ است　　تا ثریا و آفتاب رسادے
بسوادے کز آں قلم ریزد　　صد تحیت ز مشک ناب رساد
تیغ او را کہ ہم برہنہ نکوست　　از دلِ دشمنش قراب رساد
دست او را ہم از کرامتِ خویش　　سود و سرمایہ بے حساب رساد
ہر بنا را کہ افگند خصمش　　پایہ در پایہ اش بآب رساد

ایں دعا را اثر قریں بادا
ویں ثنا را ہم آفریں بادا

ہاشم کشمیؒ

آپ شہر کشتم علاقۂ بدخشاں میں پیدا ہوئے۔ سنِ ولادت ۹۸۹ھ ہے۔ آپ کے والد خواجہ میر قاسم صحیح النسب ساداتِ کرام سے تھے اور مشہور عالم و عابد و زاہد تھے۔ خواجہ ہاشم مرزا شاہ رخ والئی بدخشاں کے خاندان سے ہیں۔ آپ ۱۰۲۸ھ میں ہندوستان آئے۔ موصوف کو خواجگانِ نقشبندیہ سے خاص عقیدت تھی۔ چنانچہ آپ بُرہان پور تشریف لائے اور طریقۂ نقشبندیہ میں میر محمد نعمانؒ سے بیعت کی جو خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفۂ خاص تھے اور برہان پور میں طالبانِ خدا کی رشد و ہدایت پر مامور تھے اپنے مرشد کے حسب ارشاد خواجہ ہاشم ۱۰۳۱ھ میں سرہند تشریف لے گئے اور دو سال تک امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی خدمت بابرکت میں رہے اور مقاماتِ سلوک سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی تکمیل کی۔ خواجہ صاحبؒ کو علومِ باطنی کے سوا علم تاریخ ادب علومِ ادبیہ میں بھی مہارتِ کامل حاصل تھی۔ آپ کی تالیف سے مکتوباتِ امامِ ربانی مجدد الف ثانی بہت مشہور ہے۔ جس میں امام ربانیؒ کے مکتوبات جمع کئے ہیں جو موصوف نے اپنے احباب مریدین اور مشائخ عصر کو لکھے تھے۔ دوسری کتاب زبدۃ المقامات ہے جو اپنے مرشد امام

ربانیؒ اور خواجہ باقی باللہؒ کے واقعات و حالات میں تحریر کی ہے مذکورۂ بالا دونوں کتابیں مطبع نول کشور میں چھپ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ فارسی زبان کے بہترین شاعر تھے۔ آپ کا کلیاتِ نظم چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں جملہ اقسامِ نظم، قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی میں طبع آزمائی کی ہے۔ موصوف کا کلام نکاتِ تصوف اور اخلاقی مضامین سے مملو ہے۔ خواجہ ہاشمؒ فنِ تاریخ گوئی میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ آپ کا کلیاتِ نظمِ فارسی بمبئی میں مُلّا فیروز پارسی کے کتب خانے میں اب تک موجود ہے اس دیوان کا آخری ورق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب الحکم میر قطب الدین عرف منجھلے شاہ سورتی برائے شاہ پیران محمد بتاریخ ۲۷ صفر ۱۱۵۸ھ بمقام سورت بقلم محمد فقیر اللہ لکھا گیا۔ اس کے دو سو چہتر (۲۷۴) صفحات ہیں عمدہ سورتی کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے تقطیع ۱۰-۶ انچ مسطر پندرہ سطری ہے اس حساب سے ۴۱۴۰ اشعار ہوتے ہیں۔

خواجہ ہاشم نے تین روز کی مختصر علالت کے بعد ماہ رجب سنہ ۱۰۴۵ھ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار پُرانوار عید گاہ بُرہان پور کی مشرقی جانب اب تک زیارت گاہ انام ہے۔

کلیاتِ ہاشم سے دو غزلیں، چند رباعیاتؒ اور قطعاتِ تاریخ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

غزل

ہست نازد لبرم با جانِ مجنوں آشنا
تارِ جانِ من بود با تارِ قانوں آشنا ،

گر نہ بیگانہ ہوش آشنا شو با کسے
کز دروں بیگانہ خلق ست بیروں آشنا

کے شناسی مردمے چوں مردمانِ چشمِ من
تا نگردی از ہجومِ گریہ با خوں آشنا

خالِ آں لب دیدہ کے عقل ہا اندر بجائے
با چناں مے چوں شود زیں گونہ افسوں آشنا

ریشِ دل ناسور شد زاں گیسوانِ مشکبار
زخم ایں افعی نمی باشد بہ افسوں آشنا

کے برد برکارِ گردوں باز طالع ماہ و سلخ
ہر کہ باشد با فریبِ لعل وارون آشنا

شہد دانش را بہ تلخیہائے نادانی دہد
گر بود صفرائے ہاشم با فلاطوں آشنا ،

نگر صراحیِ مے را کہ از طریقۂ ماست
کہ گاہ قہقہہ صد گریہ در گلو دارد

کجاست سوزنِ مژگاں کجاست تارِ سرشک
کہ پارہ پارہ دلِ من چو صد رفو دارد

لباسِ فاختگاں دانی از چہ اسپید است
کہ سروِ باغ نشیمن بطرفِ جو دارد

نگہ نظارۂ او دل بریسمِ ابرو نیش
ز گفتگوئے لبِ بستہ گفتگو دارد

ہزار مژدہ بہ دیوانگانِ عشق کہ یار
ہزار سلسلہ در ہر شکنجِ مو دارد ،

بہ کعبہ سجدہ کناں خلق و سجدۂ ہاشم

بہ دلبرے کہ دل کعبہ برو دارد،

یہ چند رباعیات خواجہ باقی باللہ اور شیخ احمد سرہندیؒ کی تعریف میں لکھی تھیں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

رباعیات

قطبے کہ ز رازش انفس آفاقی ست | نیم نظرش ہزار دل را ساقی ست
باقی بحیش بہ نگوید این بس | کاں جملہ چو نام خویش با حق باقی ست

باقی ز فنا و نیستی لعل مذاب | کلکم ز حدیث سوزِ او سیخ کباب
فلینظر الی ابن ابی قحافہ | بشنو سِرِّ فنائے او را دریاب

باقی کہ از و مردہ بصد جاں برسد | مفلس ز روش بگنج پنہاں برسد
نقاشِ ازل بکارِ خود آوردش | کیں کار بزیب نقشبنداں برسد

آں قطب کہ ہم عاشق و ہم معشوق است | پیر چو پیرا سرار نبی صندوق است
آں سایہ کہ از احمد مرسل بنہفت | ظاہر شدہ این کہ احمد فاروقی است

زد شد دلِ افسردۂ رنداں تازہ | چوں زابر چمن غنچۂ خنداں تازہ
از خامۂ بیرنگیِ احمد شدہ است | نقش دیرینِ نقش بنداں تازہ

تاریخ تعمیر حوضِ اکبر

از حکم شہِ جہانِ خورشید ظہور | در شارستانِ اعظم برہانپور
بنہاد بنا خانِ جہاں حوضِ بزرگ | شد سال بناش حوضِ اکبر مسطور

۱۰۱۳ھ

تاریخِ وفات خواجہ حسام الدینؒ

پاک دل خواجہ حسام الدین را | ہادیِ قافلۂ این رہ گوے
ہم بہ اطوارِ وجود اوثق داں | ہم ز اسرارِ شہود آگہ گوے

نافع خلق بُد و سالِ وفات
ولی نافع خلق اللہ۔ گوے

۱۰۴۳ھ

تاریخِ تکمیلِ زبدۃ المقامات

بر خامہ بنازم کہ اشارات نوشت | ز آغاز و توسط و نہایات نوشت
بنوشت کتاب را و تاریخ کتاب | بر دل۔ ھُوَ زُبْدَۃُ الْمَقَامَات

۱۰۳۶ھ

دوست محمد

سید دوست محمد ابوالعلائی برہان پور میں پیدا ہوئے۔ سنِ ولادت ۹۹۶ھ ہے۔ آپ سید امیر ابوالعلائی اکبر آبادی کے مرید و خلیفہ تھے آپ کے مرشد سید امیر صاحب کو جو نعمتِ روحانیت خواجہ معین الدین چشتی سے حاصل ہوئی تھی سب آپ کو عنایت فرمائی۔ بیعت کے بعد سید امیر صاحب نے فرقۂ خلافت اور شجرۂ طریقت دے کر ارشاد فرمایا کہ برہان پور جا کر طالبانِ خدا کی رہنمائی کرو۔ ایک سال سید امیر صاحب کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد رخصت ہو کر برہان پور آئے اور دکن میں اپنا فیض جاری کیا۔ آپ ہندی زبان میں شعر کہتے تھے۔ آپ کی تصنیف پیم کہانی شائع ہو چکی ہے جو ہندی دوہوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۹۰ھ میں بعمر ۹۴ سال رحلت فرمائی۔ ایک دوہرہ درج ذیل ہے۔

پیم کہانی کہت ہوں سنو سکھی تم آئے
پی ڈھونڈن کو ہوں گئی آپی آپ گنوائے

معصوم

سید علی نام معصوم تخلص۔ آبائی وطن نجف اشرف تھا۔ آپ کے والد میر نظام الدین عبداللہ قطب شاہ والئی حیدرآباد دکن کے عہدِ حکومت میں حیدرآباد آ گئے۔ بادشاہ مذکور نے آپ کو شرفِ دامادی سے سرفراز فرمایا قطب شاہ کی دختر سے میر نظام الدین کی کوئی اولاد نہ تھی۔ دوسری بیوی کے بطن سے [illegible] معصوم کی ولادت ہوئی۔ معصوم ۱۵ جمادی الاول ۱۰۵۲ھ میں بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ میں حیدرآباد آ گئے اور اپنے والد سے ملاقات کی۔ جب سلطان عبداللہ کا انتقال ہوا اور ابوالحسن تخت نشین ہوا۔ اس کے ایک سال بعد معصوم کے والد نے وفات پائی تو ابوالحسن سابقہ عداوت کی بنا پر میر نظام الدین کے متعلقین کے درپئے آزار ہوا۔ میر معصوم نے ایک عریضہ عالمگیر بادشاہ کو ارسال کیا۔ جس میں ابوالحسن کی شکایت کی تھی۔ اُن دنوں عالمگیر دکن کے علاقے میں وارد ہوئے تھے۔ ابوالحسن کو معصوم کی طلبی کا فرمان بھیجا۔ ابوالحسن نے مع اہل و عیال موصوف کو روانہ کر دیا۔ جب معصوم سے تخت جہاں پناہ پہنچکر بادشاہ سے شرف ملازمت حاصل کیا۔ اور انعام و اکرام سے بہرہ ور

ہوا۔ بادشاہ نے منصب ہزار و پانصدے سے سرفراز فرمایا۔ بعد ازاں سید معصوم عالم گیر کے ہمراہ رکاب اورنگ آباد آئے۔ جب بادشاہ احمد نگر کی جانب روانہ ہوا تو موصوف کو اورنگ آباد کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ مدت تک اس منصب پر فائز رہے۔ کچھ روز حکومت ناہو (برار) پر بھی متقرر ہوئے۔ بعد ازاں عالم گیر سے دیوانی برہان پور کے لئے التماس کی جو منظور ہو گئی۔ عرصۂ دراز تک اس عہدے پر فائز رہے۔ آخر زیارت حرمین کے لئے بادشاہ سے اجازت طلب کی۔ اور رخصت ہوئے۔ اس سے فارغ ہو کر مشہدِ مقدس اور اصفہان ہوتے ہوئے اپنے وطنِ مالوف شیراز پہونچے۔ اور مدرسۂ منصوریہ میں طلباء کو درس دینے میں باقی عمر بسر کر دی۔ سید معصوم کا خاندان علم و فضل میں ممتاز تھا۔ شیراز کا مشہورِ عالم مدرسۂ منصوریہ آپ ہی کے جدِ امجد میر غیاث الدین منصور کا قائم کردہ ہے۔ سید معصوم صاحب دیوان شاعر تھے۔ علاوہ ازیں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے انوار الربیع ریاض السالکین، سلافۃ العصر اور تذکرۂ شعرا عرب مشہور ہیں۔ افسوس موصوف کا کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

صابر

میر صاحب ساداتِ اصفہانی سے تھا۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں اصفہان سے ہندوستان آیا۔ اور شاہی ملازمیں داخل ہوا۔ ابتداء میں صوبۂ گجرات کی وقائع نگاری و دیوانی پر مامور تھا۔ بعدازاں کل صوبجاتِ دکن کی وقائع نگاری پر مامور ہوا۔ تمام عمر شادی نہیں کی اور مجرّدانہ زندگی بسر کرتا رہا۔ میر صابر نے ۱۰۲۷ھ میں عرفی شیرازی کی ہڈیاں شہر لاہور سے نجفِ اشرف پہونچا کر عرفی کے اس شعر کی تصدیق کی۔

اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تتار
بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم

میر صاحب ۱۰۴۴ھ میں بمقام برہان پور فوت ہوا۔ شاعرِ باکمال تھا رباعی اکثر کہتا تھا۔ خانِ اعظم ناظمِ گجرات نے ایک باغ بنوایا تو میر موصوف نے اس کی تعریف میں یہ رباعی کہی۔

خورشید گلے ز باغ اعظم خان است
مئے طرب از ایاغِ اعظم خان است
ماہے کہ جہان منور است از نورش
یک پرتو از چراغِ اعظم خان است

چشمے بجہان و باغ وراغش کردیم
گوشے بنوائے کبک و زاغش کردیم

دیدیم کہ با ما سرنا سازی داشت ما نیز لسا غتیم و داغش کردیم

رازی

میر عسکری نام عاقل خاں خطاب رازی تخلص۔ اورنگ زیب عالم گیر کے امرا سے تھا۔ عرصۂ دراز تک دہلی کے صوبہ داری پر مامور رہا صوفی مشرب تھا۔ خوش گو۔ اپنے تذکرے میں لکھتا ہے کہ مرزا بے دل نے تمام سامانِ تصوف عاقل خاں کی مصاحبت میں حاصل کئے۔ عاقل خاں برہان پور آیا اور شیخ برہان الدین رازالٰہی کا مرید ہوا۔ اپنے مرشد کے نام کی مناسبت سے رازی تخلص اختیار کیا۔ صاحب تصانیف تھا۔ ثمرات الحیات اور مثنوی مہر و ماہ۔ رسالۂ امواج خوبی مثنوی شمع و پروانہ۔ مثنوی عشق راجہ منوہر میر موصوف کی تصنیفات سے یادگار ہیں۔ ثمرات الحیات میں اپنے مرشد شیخ برہان الدینؒ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔

عالم گیر کے ایام شاہزادگی میں ایک خاص پرستار فوت ہوئی۔ متوفیہ کی جدائی کا اثر عالم گیر کے دل پر بے حد ہوا۔ اسی غم میں شاہزادہ

سلہ شیخ برہان الدین کا مزار اقدس محلہ سندھی پورہ برہان پور میں واقع ہے جہاں تاریخ ۱۵ شعبان کو شاندار سالانہ عُرس ہوتا ہے۔

دوسرے روز شکار کے لئے نکلا۔ رازی نے خلوت میں عرض کی۔ باوجود رنج و ملال شکار کا عزم کیا مصلحت رکھتا ہے؟

شاہزادے نے معاً یہ شعر پڑھ کر سنایا ؎

نالہاے خانگی دل را تسلی بخش نیست

در بیاباں می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

رازی نے اسی وقت اپنا یہ شعر پڑھ کر سنایا ؎

عشق چہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت

اس شعر کے سنتے ہی شاہزادے پر رقت طاری ہوئی۔ کئی مرتبہ پڑھوایا۔ پوچھا یہ شعر کس کا طبع آزاد ہے۔ رازی نے کہا یہ ایسے شخص کا شعر ہے جو حضور کے سامنے شاعری کی حیثیت سے مشہور ہونا پسند نہیں کرتا۔ شہزادہ مسکرایا اور رازی کی ترقی کو مدِ نظر رکھا۔ چند ہی روز کے بعد چار ہزاری کے منصب سے سرفراز فرمایا۔ رازی صاحب دیوان تھا موصوف کا کلام تصوف، اخلاق اور فلسفیانہ مضامین سے مملو ہے۔ رازی کی وفات ۱۰۶۳ھ میں واقع ہوئی۔ مرزا بے دل نے مرحوم کی تعزیت میں ایک مرثیہ لکھا جس کے ہر مصرع سے تاریخ وفات برآمد ہوتی تھی۔ رازی کی مشہور مثنوی شمع و پروانہ انڈیا آفس (لندن) کے کتب خانے میں اب تک محفوظ ہے۔

انتخاب از مثنوی شمع و پروانہ

رازِ زیادر جہاں بروئے زمیں — نے رتن ماند نے علاؤ الدین
نے پدم ماند نے جمالِ پدم — بُرد با خود زتن خیالِ پدم
لیکن از عشق داستانے ماند — زاں وفا پیشگاں نشانے ماند
اے بسا چوں رتن بہندوستاں — آمد و رفت نیست نام و نشاں
ہشت صد سال شد زعشقِ رتن — لیکن ایں داستاں نگشت کہن،
درہمہ حال نغمۂ عشاق، — سخت پیچیدہ است در شُر طلاق

انتخاب مثنوی عشق منوہر

ازاں کردم من ایں ہنگامہ بنیاد — کہ دل شاگرد بود و عشق استاد
زلوحِ ہندوی ایں نسخۂ راز — بنقش فارسی شد جادہ پرداز
کشیدم نالۂ چند از دلِ ریش — بود در عہدۂ ہندی کم و بیش
نہا شد ایں مثل پوشیدہ از عقل — کہ کفرے نیست ہرگز کفر را نقل
اگر نیک و بد آوردم عنا ہم — نہ در گلبن گل و خار است باہم،
گلم در دست یاراں باد دستہ — بجا نم باد خار من شکستہ،
زطبعم راست گر خار ست و گر گل — بباغِ خویش گویا نم چو بلبل،

غزلیات

خشک کنم ز سوزِ دل دیدۂ اشکبار را		چند در آب افگنم آئینۂ نگار را
قبلۂ مست میکند خانۂ میفروش را		آنکہ بکعبہ می برد سالک ہوشیار را
چند غم جہاں خوری دل چہ نہی بریں چمن		بادِ خزاں درپے است جلوۂ ایں بہار را
بست گرہ ز خون دل نافۂ آہوئے ختن		تا بکشاد آں غزال طرۂ مشکبار را

سالہا شد کہ دلم معتکف روئے تو بود		روئے چوں قبلہ نما از ہمہ سو سوئے تو بود
در جہاں ہیچ دل از وسوسہ آزاد نماند		مگر آں دل کہ اسیرِ خمِ گیسوئے تو بود
ہر گل تازہ بشگفت سحر رنگ تو داشت		غنچۂ نافہ چو بشگفت پُر از بوئے تو بود
سامری کیست کہ جان در تن گوسالہ دمید		ساحری چیست ہمہ فتنۂ جادوئے تو بود

کشتۂ غمزۂ تو نیست ہمی سرآزاری دل بس
بس مسلماں بستم کشتۂ ہندوئے تو بود

اے حُسن ترا ہر دم صد جلوہ نقاب اندر		صد موج زند دریا ہر لحظہ حباب اندر
درد تو مرا در سر چوں روح بود در تن		سوز تو درا شک من چوں بوئے گلاب اندر
تا زلف ترا دیدم در دست صبا پیچاں		می پیچم و می کاہم چوں رشتہ بتاب اندر

احوال دل سرآزاری گفتند دریں مصرع
در کارم و بے کارم چوں مہ بحساب اندر

متفرق اشعار

سرمست جام نیست دل جرعہ نوش ما مستیٔ ما ست از نگہ میفروش ما

سر چو کشیدم ز جیب عشق گرفت پا چو کشادم زبند راہ بیاباں گرفت
ہر کہ بکف جام دید دولتِ جمشید یافت ہر کہ ز دنیا گذشت ملکِ سلیماں گرفت

عشق از معمورۂ میخواند بہ ویرانی مرا عاشق ویرانہ کرد ایں گنج پنہانی مرا
من ہمی سازم بہ تو ہر چند می سوزی دلم دل نمی رنجد ز تو ہر چند رنجانی مرا
از نظر پنہانی و در دِ تو در دل آشکار آشکارا می کند ایں دردِ پنہانی مرا

تنہا نشستہ ایم طلبگار چوں خودیم مکتوبِ اشتیاق بہ عنقا نوشتہ ایم

گلشن

نام شیخ سعد اللہ گلشن تخلص۔ سلسلۂ نسب مشہور صحابی حضرت زبیر ابن العوام سے ملتا ہے۔ آپ کے اجداد سے اسلام خاں گجرات

میں عہدۂ وزارت پر مامور تھا (جب احمد آباد) پر اکبر بادشاہ کا تصرف ہوا تو آپکے بزرگ برہان پور آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ شیخ موصوف کی ولادت ۱۰۸۰ھ میں برہان پور میں واقع ہوئی۔
مولانا آزاد بلگرامی سروِ آزاد میں لکھتے ہیں :۔

بعد انقراضِ سلاطینِ گجرات و استیلائے اکبر بادشاہ یکے از اسلافِ او از گجرات بہ دار السرور برہان پور نقل کرد۔ شیخ سعد اللہ از برہان پور برآمد رحلِ اقامت بہ دار الخلافہ شاہجہان آباد افگند و با ارادۂ سیاحت ہم برخاست۔ وطنِ اجداد یعنی احمد آباد و دیگر بلاد را سیر کردہ بہ شاہجہان آباد برگشت و در ہمیں سر بست و یکم جمادی الاولیٰ سنہ احدی و اربعین مائۃ و الف (۱۱۴۱ھ) متوجہ روضۂ رضوان شد۔ دیوان بیہ ضخامت دارد۔

(سروِ آزاد صفحہ ۱۹۹)

محمد افضل سرخوش جو عالمگیر بادشاہ کا معاصر تھا اپنے مشہور تذکرۂ کلمات الشعراء میں گلشن کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

طبیعے درست دارد۔ مدتے پیشِ فقیر مشق کردہ۔ جنونے بہم رسانده۔ از دار الخلافہ برآمد۔ الحال در گجرات بسری برد آخر بصحبت مرزا بیدلؔ ہم جلسیت او را کشیده۔ (کلمات الشعراء صفحہ ۹۶)

مؤلف شعرائے دکن نتائج الافکار کے حوالہ سے لکھتے ہیں :۔

آپ کے اجداد میں اسلام خاں احمدآباد گجرات میں وزارت کی خدمت پر مامور تھا۔ جب احمدآباد گجرات پر اکبر بادشاہ متصرف ہوا اور گجراتی سلاطین کی سلطنت منقرض ہوئی۔ آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ برہان پور آئے اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کی ولادت شہر برہان پور ہی میں واقع ہوئی۔ (شعرائے دکن صفحہ ۹۶۸)

آپ نے برہان پور کے علماء سے کتب درسیہ عربی و فارسی کی تکمیل کی۔ عالمِ شباب میں زیارتِ حرمین اور حج کے لئے پا پیادہ تشریف لے گئے حج و زیارت سے فارغ ہوکر ہندوستان آئے اور بائیس سال تک احمدآباد (گجرات) برہان پور خاندیس۔ اورنگ آباد وغیرہ بلادِ دکن کی سیاحت کرتے رہے۔ پھر بعمرِ چالیس سال دہلی گئے۔ اور وہاں کے مشہور بزرگ شاہ گل صاحب وحدت سرہندی مجدّدی کے مرید ہوگئے۔ آپ کو فنِ شاعری میں مرزا عبدالقادر بے دِل سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ آغازِ شاعری میں محمد افضل سرخوش سے بھی استفادۂ سخن کیا تھا۔ شیخ صاحب عالم و فاضل متدین اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھے۔ موصوف کو فنِ نظم اور نثر نگاری میں مہارت کامل حاصل تھی۔ جملہ اصنافِ نظم میں شاعری کی ذخیرۂ کلام ایک لاکھ اشعار سے زائد تھا۔ فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کی ہے۔ مشہور ریختہ گو شاعر فراقی دکنی آپ کا شاگرد اور مرید تھا۔

۶۵ سال کی مرضِ اسہال عارض ہوا ۲۱ روز بیمار رہے۔ آخر ۲۱ جمادی الاول ۱۱۴۰ھ اور بقول بعض ۱۱۴۴ھ بمقام دہلی فوت ہوئے۔ افسوس آپ کا کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ چند اشعار کلمات الشعراء اور سروِ آزاد سے نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

بچشمِ خویش نگر سحرِ سامری این است نظر بہ آئینہ کن شیشہ و پری این است

گشتم شہید تیغِ تغافل کشیدۂ جانم ز دست برد غزالانہ دیدۂ

بدقت می تواں فہمید معنی ہائے نازِ او کہ شرحِ حکمت العین است مژگانِ درازِ او

بدن ز شوخیِ نفس زدیدہ طغیاں میکند نازش پری در شیشہ پنہاں گشت بیرون ست پروازش

حیرت بہارِ گلشنِ نظارہ خودیم آئینہ خانۂ دلِ صد پارہ خودیم

ز شوقِ مہرِ رخسارے کہ چشمم گریہ پیرا شد چو گوہر ہر گرہ ہر اشکِ من دارد سحرگاہے

فرحت

لالہ خوش حال چند نام۔ فرحت تخلص۔ قوم کائستھ برہان پور کا رہنے والا تھا۔ شاعر خوش گو اور صاحبِ مروّت و خوش اخلاق تھا۔ اہلِ اسلام اور اہلِ اصنام دونوں سے مساوی تعلقات رکھتا تھا۔ ۱۲۶۸ھ میں انتقال کیا۔ کلام دستیاب نہ ہوا۔ صرف دو شعر نموناً درج ہیں ؎

درد لم جز مہرِ مہ رویاں نمی گیرد قرار
قالبم گوئی ز خاکِ کوئے ایناں ساختند

ہر کجا گل چہرگاں را دند ترتیبِ چمن
نرگسِ چشمِ مرا کشتند و حیراں ساختند

افسانؔ

شیخ غلام مصطفٰے نام۔ افسانؔ تخلص۔ مولد و منشا مرادآباد۔ عالم و فاضل اور شاعرِ کامل تھے۔ کتبِ معقولات کی تعلیم مُلّا قطب الدین صاحب سہالوی اور شیخ غلام نقش بندی لکھنوی سے حاصل کی۔ حدیث کی سند کا سلسلہ شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلویؒ سے پہونچتا ہے۔ آپ شیخ جان محمد صاحب قادریؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ علومِ درسی کے علاوہ

طب، علم نجوم، اور فنِّ خوشنویسی میں مہارتِ کامل رکھتے تھے۔ ہندوستان کے اکثر برہمن مسائلِ نجوم میں آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ بقول علامۂ آزاد بلگرامی جملہ علوم و فنون کی کتابیں انسان کے سینہ میں محفوظ تھیں۔ دور دراز مقامات سے تشنگانِ علم آتے تھے۔ اور آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے۔ شیخ صاحب عالمگیر کے عہد میں دکن تشریف لائے۔ عرصے تک صیغۂ منصب داری پر مامور رہے۔ آخر بالآخر مدت ترک کر کے ایلچ پور (برار) چلے آئے اور باقی عمر یہیں بسر کی۔ ۱۱۲۲ھ میں رحلت فرمائی اور بلدۂ ایلچ پور میں شاہ عبد الرحمٰن عرف رحمٰن شاہ دولھا غزنوی کے مزار اقدس کے قریب دفن کئے گئے۔ آپ ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپ کا فارسی کلام عرفان و توحید اور سلوک و تصوف کے مضامین سے معمور ہوتا تھا۔

نمونۂ کلام

بہر راہ تو تنہا دارد از نرگس چمن چشمے　　بود با دام چشمے لا لہ چشمے یاسمن چشمے

بازی عشق است می باید بساماں باختن　　ہر سحر چوں صبح جان تازہ خنداں باختن

چہ عجب گردشِ دہر گر افتاد خلل،　　پیر شد چرخ ازاں گشت دماغش مختل

روشن دل و وابستۂ مذہب چہ گمان است ازہرچہ مقابل شود آئینہ ہمان است

در شانِ علیؓ بحث کند شیعہ و سُنّی حقا کہ علیؓ برتر ازین ہر دو بیان است

انسان چو مسمّیٰ شود از اسمِ الٰہی ناچار ز افزون شدنِ عبد بر آن است

در اسمِ علیؓ چونکہ نبیؐ عبد نیفزود، بنگر کہ دریں پردہ عجب رمز نہان است

رُباعی

ہستی شخص و عدم چو آئینہ بہ پیش عالم بمثالِ عکس بیخویش بخویش
انسانِ مثل چو چشم عکس ست درو آن شخص عیان نمودہ پاک از کم و بیش

رسا

ابوالحسن رسا۔ بالاپور (برار) کا باشندہ تھا۔ حفیظ الدین خاں بہادر کے تلامذۂ خاص سے تھا۔ بالاپور میں وفات پائی اور وہیں دفن کیا گیا۔ صاحب دیوان تھا۔ یہ چند شعر ہدیۂ ناظرین ہیں۔

غزل

بس کہ دل محوِ خیالِ چشمِ نرگس نام ہے
ہر طرف مدِ نظر موجِ گلِ بادام ہے

حاجتِ جال و قفس اے پُر جفا صیاد نئیں
رشتۂ مدِ نگہ مجھ ناتواں کا دام ہے

التجا ئے ساغرِ سرشار ساقی میں بسا
ہر نگاہِ مست اس کی مدبھرا اِک جام ہے

مکھ سیں دلبر کے وا نقاب کرو
حسن کو اس کے بے حجاب کرو

ذوقِ پا بوس ہے اگر دل میں
حلقۂ چشم کو رکاب کرو،

طبع میری بلند ہے یارو
ہے بجا گر بسا خطاب کرو

نگہت

محمد یوسف نام تخلص نگہت۔ بُرہان پور کے مشہور شعرائے قدیم سے ہے۔ سلسلۂ نسب طائفۂ چک سلاطینِ کشمیر سے ملتا ہے۔ شاہزادۂ محمد اعظم شاہ کے زمرۂ ملازمین سے تھا۔ جب اعظم شاہ صوبہ داری احمد آباد (گجرات) پر روانہ ہوا تو نگہت بھی ہمرکاب تھا۔ فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں دہلی روانہ ہوا۔ بادشاہ نے سخنور علی خاں کے خطاب سے نوازا۔ نگہت نے امرا کی تعریف میں اکثر قصیدے لکھے اور انعام و خلعت سے بہرہ اندوز ہوا۔ ایک کتاب اعتماد الدولہ قمر الدین خاں

وزیر محمد شاہ کے حالات میں تصنیف کی۔ اس کے علاوہ ایک مثنوی بہاریہ اور دوسری ہولی کی تعریف میں لکھی ۱۱۳۳ھ میں جب سادات بارہ کا زوال ہوا اور محمد شاہ کی سلطنت مستقل ہوئی تو نکہت نے قطعۂ تاریخ لکھ کر پیش کیا۔ مادۂ تاریخ درج ذیل ہے۔

آفتاب ملک و اقبال از کسوف آمد بدر

بادشاہ نے ایک ہزار روپیہ نقد و خلعت بیش بہا سے سرفراز فرمایا شیخ مصحفی نے فارسی گو شعراء کے عقد ثریا میں نکہت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

"ہمیشہ در زمانۂ بادشاہانِ ماسبق وسر بہ پات بچرخ بریں سودہ، مدتے گذشتہ کہ دو مثنویش در بحر ہزج یکے در تعریف فصل بہار و یکے در تعریف ہولی بنظر فقیر در آمدہ بود در آں ہر دو مثنوی تلاشہائے نمایاں دارد۔ (عقد ثریا صفحہ ۵۸)"

علامہ آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ میں نکہت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"شاعر خوش سلیقہ است و موجد اشعار ایقہ در عہد فردوس آرام گاہ محمد شاہ ساغر عیش در ماہتاب دولت وزیر الممالک قمر الدین خاں می پیمود از پیشگاہ خلافت بخطاب سخنور خاں سر افتخار بآسمان می سود۔ قصائد بسیار در مدائح امرائے عصر بنظم آورد۔"

نکہت نے جملہ اصنافِ شاعری میں فکرِ سخن کی ہے۔ شاعرِ موصوف ۱۱۵۰ھ میں فوت ہوا۔ چند اشعار درج ذیل ہیں۔

نصیب گشت شبے پائے بوسِ یار مرا ‌ ‌ زکف چو رنگِ حنا رفت اختیار مرا
زپائے تا بسرم محوِ انتظار کسی است ‌ ‌ کہ غیر چشم چو بادام نیست یار مرا

گلو در فعتِ دنیائے دوں بے کشمکش حاصل ‌ ‌ بگردن خیمہ را چندیں طناب افتد کہ برخیزد

نگاہے جوابِ خطِ من اے دلربا نویس ‌ ‌ فرہاد نامہ اے بتِ شیریں ادا نویس

ہمتِ نقدِ دل ایں خاک نشیں پیشِ تو قرض ‌ ‌ آنچہ در کیسۂ من بود ہمیں پیشِ تو قرض
من سپردم دلِ خود را تو نہ دادی بوسہ ‌ ‌ آں بود پیش کشِ ناز تو ایں پیشِ تو قرض
دلربا یا نہ مرا بوسہ بدہ باز مگیر ‌ ‌ نکہت امروز طلب کردہ ہمیں پیشِ تو قرض
بغیر من کہ بہ تن نقشِ بوریا دارم ‌ ‌ کہ تو کشیدہ کہ دارد دلہا میں عراقی

سعدی دکنی

یہ شخص خطۂ دکن میں قدیم ترین ریختہ گو شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کے اشعار کو سعدی شیرازی سے منسوب

کردیا ہے جو خلافِ قیاس ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے اکثر قدیم تذکروں میں سعدی دکنی کے حالات مختصر ملتے ہیں لیکن اس سے شاعرِ مذکور کے متعلق کوئی خاص رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے نہ ہی اس کے مقامِ ولادت اور زمانے کا حال تحقیق ہوسکا ہے۔ البتہ مؤلف چمنستانِ شعراء نے اس کے مدفن کا ذکر کیا ہے اور سعدی کو دکن کا باشندہ بتایا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں :-

سعدی از شعرائے سلطنتِ دکن ست۔ زبانش با روزمرّہ دکن آشنا مرقدش در جوار برہان پور مشہور ست۔[1]

تمام تذکروں میں سعدی کے دو یا تین شعر ملتے ہیں جو درج ذیل ہیں :-

ہمنا تمن کو دل دیا تم دل لیا ہور دُکھ دیا
ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی کیا ریت ہے،

دو نین کے کھپر کروں رو رو کے انجواں ل بھروں
پیش سگِ کو یت دھروں پیاسا نہ جاوے میت ہے

[1] سعدی دکنی کا مزار قصبۂ شیر پور میں ہے جو برہان پور سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

سعدی غزل انگیختہ، شیر و شکر آمیختہ،
در ریختہ دُر ریختہ، ہم شعر ہے ہم گیت ہے

اُمّید

قزلباش خاں اُمیدؔ کا نام محتاجِ تعارف نہیں شمالی ہند اور دکن کے تمام تذکرہ نویسوں نے شاعرِ موصوف کے حالات کم و بیش لکھے ہیں۔
محمد رضا نام تھا۔ اُمیدؔ تخلص۔ آبائی وطن ہمدان تھا۔ عین عالمِ شباب میں ہمدان سے اصفہان آیا اور میرزا طاہر وحیدؔ سے فنِ شاعری میں تلمذ حاصل کیا۔ عالمگیر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آیا۔ بہادر شاہ کے دورِ حکومت میں قزلباش خاں کے خطاب اور منصبِ ہزاری سے بہرہ یاب ہوا۔ محمد معز الدین کے زمانے میں عہدۂ دیوانی پر مامور رہ کر عرصۂ مدید تک دار السرور برہانپور میں سکونت اختیار کی۔ آخر امیر الامراء حسین علی خاں کے عہدِ نظامت میں کسی وجہ سے معزول ہو کر حیدر آباد (دکن) آیا۔ کچھ روز مبارز خاں ناظمِ حیدر آباد کی خدمت میں بسر کئے۔ ۱۱۳۷ھ میں بمقام شکر کھیڑی آصف جاہ اور مبارز خاں میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں مبارز خاں تو مارا گیا۔ اور قزلباش خاں نواب آصف جاہ کی قید میں پڑا۔ ایک قطعہ نواب کی تعریف اور اپنے عذرِ تقصیر میں لکھ کر ارسال کیا۔ آصف جاہ

نے ازراہِ شفقت خانِ مذکور کو رہا فرمایا۔ سابقہ جاگیر بحال کی۔ اور قلعہ منی مرک (کرناٹک) کی قلعہ داری کے منصب پر مامور کیا۔ چند روز کے بعد قزلباش خاں نواب سے رخصت ہو کر زیارتِ حرمین کے لئے روانہ ہوئے حج و زیارت سے مشرف ہو کر پھر آصف جاہ کی خدمت میں باریاب ہوا تو نواب مذکور نے انعام و الطاف سے نوازا۔ ۱۱۵۵ھ میں جب آصف جاہ دارالسلطنت دہلی روانہ ہوئے تو قزلباش خاں بھی ہم رکاب دہلی چلا آیا۔ اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی آخر مرضِ سکتہ سے ۱۱۵۹ھ میں انتقال کیا۔ علامہ آزاد بلگرامی نے تاریخ وفات کہی۔

خانِ سخن گسترِ سحر آفریں، رخت بست از یں خاک داں
سالِ وفاتش دلِ نالانِ من یافتہ۔ جاں داد قزلباش خاں

باشندۂ ایران ہونے کے باوجود امید ہندی موسیقی میں دخلِ تام رکھتا تھا۔ فارسی اور ریختہ دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ فارسی دیوان آٹھ ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ ہندی اشعار نمونتاً درج ذیل ہیں

با نازِ چو مہرو حسنِ ملک جلوہ پری
رفتم بہ پیش و گفتم، جانم فدائے لشت

با من کی بھی ایک مری آنکھ میں پڑی
غصہ کیا و گالی دیا اور دگر لڑی

ایسی نہ سیتا اور نہ بھوانی نہ رادھکا
گفتم کہ تیرے پاؤں پڑم اور بلا لیم،

کرتا رنے نہ ایسی کوئی دوسری گھڑی
گفتا کہ ڈاڑھی جار مغل تجھ کو کیا پڑی

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے — در و دیوار سے اب صحبت ہے
دل ہمارا اُسے کرتا ہے رات — غیر سے جو سر شب صحبت ہے
دردِ دل اُس سے جو ہم نے کہا — ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے
دہر میں پاس ریا نفس لازم ہے — شیشہ و سنگ یہ سب صحبت ہے
دستِ اغیار ہے زیرِ سر یار — آج آصفؔ کڑھب صحبت ہے

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں — اَلْحَفِیْظ اَلْحَفِیْظ کرتا ہوں

مثلِ بلبل ہوں رات دن نالاں — یہ مرا منصبِ ہزاری ہے

ٹال دیتا ہے ہنس کے باتوں میں — رو کے کہتا ہوں جب میں اپنا حال

آصف

آصف جاہِ اوّل کا اسمِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ نوابِ مرحوم موجودہ شہریارِ دکن (حضورِ نظام) کے مورث اعلیٰ تھے۔ آپ کا نام میر قمرالدین تھا۔ ۱۰۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملتا ہے۔ مستند علماء و فضلاء سے تعلیم و تربیت حاصل کی

عربی و فارسی، ہندی زبانوں میں یکساں مہارتِ کامل رکھتے تھے۔
محمد فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں آپ منصب ہفت ہزاری اور خطاب
فتح جنگ نظام الملک بہادر سے سرفراز ہوئے۔ نیز عرصے تک صوبہ داری
دکن پر مامور رہے۔ ۱۱۳۲ھ میں سید طالب علی خاں قلعدار جو ساداتِ
بارہہ سے تھا قلعہ آسیر گڈھ صلحاً مسخر کیا۔ اسی طرح بغیر جنگ و جدل
محمد انور خاں صوبہ دار سے شہر برہان پور تسخیر فرمایا۔ عالم گیر کے عہد سے
محمد شاہ کے زمانہ تک موصوف مسندِ امارت و صدارت پر متمکن رہے
۱۱۶۰ھ میں برہان پور تشریف لائے۔ چند روز بیمار رہے آخر تاریخ
۴ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ برہان پور سے آپ
کی لاش کو خلد آباد (دکن) لاکر حضرت برہان الدین غریب کے مزارِ
اقدس کے متصل دفنایا گیا۔ آصف جاہ مرحوم کو وفات کے بعد جس مقام
پر غسل دیا گیا تھا وہ خاص و عام میں مغسلِ آصف جاہ کے نام سے مشہور
ہے اور برہان پور کے آثارِ قدیمہ میں شمار ہوتا ہے۔ مغسلِ مذکور
نظام باغ متصل زین آباد (برہان پور) میں پختہ چار دیواری میں
محفوظ ہے۔ موضع بڑگاؤں اور ٹیپل گاؤں خادمانِ مغسل کے اخراجات
کے لئے زمانۂ قدیم سے بطور جاگیر وقف ہیں۔ آصف جاہ نے تیس برس کامل
دکن کے چھ صوبہ جات پر حکمرانی کی۔ اپنے دورِ حکومت میں متعدد عمارات

کی تعمیر کرائی۔ سنہ ۱۱۴۱ھ میں دارالسرور برہان پور کی شہر پناہ بنوائی جس
کی تاریخ تعمیر "رب اجعل ھذا البلد امنا" سے برآمد ہوتی
ہے۔ آصف جاہ کو فنِ شاعری میں مرزا عبدالقادر بیدل سے شرفِ
تلمذ تھا۔ ابتدا میں شاکر تخلص تھا۔ بعد ازاں آصف اختیار کیا
آپ نے فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی ہے۔ موصوف
کے دو دیوان حیدرآباد (دکن) میں طبع ہو چکے ہیں۔ کلام کا بیشتر حصہ
عرفان و تصوف کے مضامین عالیہ سے معمور ہے۔

غزلیات

اشتیاقِ دیدنِ آں بے وفا داریم ما
گو کدورت در دلش باشد صفا داریم ما

از بنا و دیگراں باشد بناہِ ما قوی
ہر کس ایں جا گر کسے دارد خدا داریم ما

در حضورش راست استادن عبارت ستر ور نیست
ایں بنا را در نگاہِ او بپا داریم ما

از یکے دہ میشود نقدے کہ کس را میدہیم
در میانِ کیسۂ خود کیمیا داریم ما

تو بنائے در صفا بخشی ازیں بہتر کجاست
در فضائے چشمِ خود آں خاکِ پا داریم ما

سر کشیہا روزئی دنیا پرستاں باد و بس
در دلِ خود شیوۂ تسلیم و رضا داریم ما

از تصور کردنِ روئے چمن پیرائے او
در نظر آصف چہ باغِ دل کشا داریم ما

باصاحب آنے سروکارست دلم را — باسرِ روانے سروکار است دلم را

شد سینۂ من چاک زعشقِ رخِ صافی — با ماہ وکتانے سروکار است دلم را

شد شہرۂ عالم دلِ بیتاب زہجرت — با نام ونشانے سروکار است دلم را

آصف شدہ ام کشتۂ گفتار نگارے

با تیغ زبانے سروکار است دلم را

رونقے دارد زعشق ما رویت کار را — ہمسری با عرش جوید گوشۂ دستار را

بسکہ یک زنجیم با نیرنگ حسن از عشق تست — کمتر از زلفت نباشد رشتۂ زنار را

صرف کن اے بوالہوس [illegible] — جز متاع درد عشقے نیست در بازار را

ہر چہ می باید زمشک و عنبر سارا درست — زلفِ خوشبوئے تو باشد طبلۂ عطار را

حیف آصف عشق را یک لحظہ پنہان تا

آشکارا می کند فریاد دل بر یار ما

درد و سوز و وجد و ذوقِ دل بود ما را — عشق نازل کرد ایں آیات را در شان ما

می کند آں مہ جفا و ما تحمل می کنیم — شد بحسن انش مقابل صورتِ احسان ما

در جدائی گرم بیتابی ست اعضا یک قلم — می طپد دل در رہِ وصلت برنگ جان ما

میروئیم آصف بکوئے او وسیلے تا از نسیم

ہیچ نشنید غبار راہ بر دامان ما

بسکہ تصویر کشی ہیئتِ انسانی را | تا تماشا کنی ایں انجمن فانی را
گر ز انصاف بمعموریِ عالم کوشد | شاہ در خواب نہ بیند غمِ ویرانی را
خار و گل پیشِ نگاہش ہمہ یکساں گردد | ہر کہ پوشید بخود جامۂ عریانی را
زلفِ مشکیں ز کجا فطرتِ مانی ز کجا | قلمِ صنع نوشت ایں خطِ ریحانی را

محرمِ معنیِ خویش است دریں جا شاکر
ہر کہ در سجدہ بخواند خطِ پیشانی را

زائر

شیخ محمد فاخر نام۔ زائر تخلص۔ ۱۶۔ شعبان ۱۱۲۰ھ میں بمقام الٰہ آباد پیدا ہوئے۔ اپنے والد شیخ محمد یحییٰ چشتی نظامی ابو العلائیؒ کے سجادہ نشین تھے۔ جو اپنے عہد کے عالم و فاضل اور صاحبِ تصانیف تھے۔ علومِ ظاہری کی تعلیم اپنے برادرِ کلاں شیخ محمد طاہر سے حاصل کی۔ ۳۸ سال کی عمر میں آپ فریضۂ حج و زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے اور مدینہ طیبہ میں شیخ محمد حیات مدنی سے علمِ حدیث کی سند حاصل کی۔ شیخ صاحب نے دو مرتبہ حج ادا فرمایا۔ تیسری مرتبہ عازمِ حج تھے کہ برہان پور میں بتاریخ ۵ ذی الحجہ بعد عبورِ دریائے نربدا آپ کو مرضِ سرسام عارض ہوا۔ بیماری نے شدت اختیار کی۔ آخر روز شنبہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ میں جانِ عزیز را و بیت اللہ میں

نثار کی۔ دورانِ علالت میں وصیت فرمائی تھی کہ مجھے شیخ عبد اللطیف رحمہ
برہان پوری کے مزار کے پاس دفن کیا جائے کہ مقام مذکور اہلِ زمانہ
کی بدعات اور گور پرستی سے مامون و محفوظ ہے۔ چنانچہ موصوف کو حسبِ
وصیت وہیں سپردِ خاک کیا گیا۔ تاریخِ انتقال زوالِ خورشید اور تاریخِ
ولادت خورشید سے برآمد ہوتی ہے۔ آپ کی تصانیف میں درّۃ التحقیق
معراج القبول اور قرۃ العینین وغیرہ مشہور ہیں۔

مولانا آزاد بلگرامی موصوف کے غم میں رقم طراز ہیں:-

"وا حسرتا کہ چنیں صاحبِ کمال در ایامِ شباب ازیں عالم رحلت کرد
و داغِ مفارقت بر دلِ یاراں گذاشت۔ سپردہ‌ام اگر عمرِ طبیعی
زندہ ماندے مشکل کہ چنیں ذات قدسی صفات بہم رساند۔"

مرزا جانِ جاناں مظہر لکھتے ہیں:-

"بسیارے از کبرائے دین را شناختہ و مخدوم بودہ از یازدہ صد
سال یک شخص کہ عبارت از محمد فاخر است موافقِ کتاب و سنت
دریافتم۔"

شیخ زائر صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

دارم دلے کہ بردم تیغ است راہِ او مژگانِ چشمِ یار بود سیر گاہِ او

حُبِ دنیا می فریبد خاطرِ افسردہ را　　گوشمالی می دہد روباہ شیرِ مردہ را

مو بہ را در خمِ زلفِ تو بہ بید ما ہے　　عینکِ داغِ دلم از چہ کلاں بیں شدہ است

مرا از آمد و رفتِ نفس روشن شد این معنی　　کہ اقبالِ جہاں و ردم زدن ادبار می گردد

دنیا عزیز کردۂ دنیا طلب بود　　از التفاتِ شوے شود قدرِ زن بلند

کنند گورپرستاں زیارتِ زاہد　　کہ زیرِ گنبدِ دستار زندہ در گور است

در گلستانے کہ ما رنگِ تماشا ریختیم　　آسماں یک بالِ برہم خوردۂ طاؤس بود

رباعیات

تا پیرِ چار یارِ اخیار نہ　　از چار اصولِ دیں خبردار نہ
در طبعِ تو ایں چہار عنصر باہم　　تا ہست باعتدال بیمار نہ

گر تن بہ بلائے قضا نتواں داد　　از کف سرِ رشتۂ رضا نتواں داد
در ہر چہ نشد گو چنیں بایستے　　تعلیمِ نوائی بخدا نتواں داد

اعظم

سید اعظم نام۔ اعظم تخلص۔ برہان پور کا باشندہ اور ولی دکنی کا معاصر تھا۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ تین شعر تذکرۂ گلشنِ گفتار سے ماخوذ ہیں۔

دل شمعِ حسن گل ہو جانا مزا جانا معشوق کے اسرار چھپانا مزا جانا

تجھ زلفِ سیہ تاب میں امرت کی کنڈل ہیں ظلمات میں جیوں خضر نے آنا مزا جانا

کعبہ کی عبادت میں حلاوت نہیں پایا محراب میں تجھ بھوں کی دوگانا مزا جانا

کامل

سید محمد نام۔ کامل تخلص۔ برہان پوری تھا۔ طرزِ کلام سے ولی دکنی کا معاصر معلوم ہوتا ہے۔ سنِ وفات معلوم نہ ہو سکا۔ مرثیہ گوئی کے سوا دیگر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی نہیں کی۔ جیسا کہ مؤلف گلشنِ گفتار کی تحریر سے ظاہر ہے:-

"سید محمد کامل برہان پوری طبع عالی داشت دتما ؛ عمر خود را در گفتنِ مدحِ د

مرثیہ صرف نمودہ۔ دیگر شعرا اصلاً و مطلقاً کاہے قصداً و عمداً برزبانش نہ رفتہ سبحان اللہ چہ سعادت مندی او بہ تحریر قلم آید۔ چند مطلع انہ

مرثیہ ہائیش نوشتہ می شود

اے فلک کس کے سبب ماتمی ساماں ہے تو ۔ اے زمیں خاک بسر کس کی کھود حیراں ہے تو

اے سحر کس کے الم چاک گریباں ہے تو ۔ اے صبا کس کے جہت آج پریشاں ہے تو

قیامت انتقالِ آلِ احمد دیر کھینچا ہے ۔ فلک بے مضطرب ہو ماہِ نو شمشیر کھینچا ہے

کبھی کبھی احباب کی فرمائش پر غزل بھی کہتا تھا ۔ چند اشعار درج ذیل ہیں

دیتا ہے خطِ رخ شہِ خوباں کے آس پاس ۔ جیوں فوجِ مور تختِ سلیماں کے آس پاس

آشفتگی کی شامِ غریباں دیکھیں محال ۔ آتا اگر ہے زلفِ پریشاں کے آس پاس

دستِ گدا کو بار کہاں کروگے ثمن ۔ مغزی لبنی ہے اترے داماں کے آس پاس

شلتے ہیں خار دردِ دلِ بیمارِ ہجر میں ۔ مژگاں نہیں ہے دیدۂ حیراں کے آس پاس

گلرو نے جب سے گلشنِ مکتب کو دی طرح ۔ پھرتا ہے دل جو سوزِ دبستاں کے آس پاس

جا نہیں آسیائے فلک سے ہوا کوئی ۔ دانا اگر ہے مت پھرے دوراں کے آس پاس

کافر اگر خیالِ طوافِ حرم ہے تو ۔ قرباں ہو درگہِ شہِ مرداں کے آس پاس

عاصم

محمد عاصم نام۔ عاصم تخلص۔ باشندۂ برہان پور۔ شیخ نوراللہ رمزالٰہی خلیفہ شیخ برہان الدین رازالٰہی کے مرید تھے۔ آپ نے خوب محمد چشتی کی مشہور ہندی کتاب خوب ترنگ کا فارسی میں منظوم ترجمہ کیا اور اُس کا نام نغماتِ حیات رکھا۔ یہ ترجمہ سنہ ۱۱۶۶ھ میں تمام ہوا۔ نغماتِ حیات کا ایک نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد (دکن) میں محفوظ ہے۔ کتاب مذکور کے چند اشعار اُردوئے قدیم سے ماخوذ ہیں۔

نام او از غیب آمد خوب ترنگ	شرحِ او امواجِ خوبی ہے درنگ
بود آں امواجِ خوبی چوں بہ نثر	عاصم آوردہ بنظم از راہِ فکر
در ہزار و یک صد و ہم شصت و پیچ	گشت ظاہر ایں لآلی گنج گنج

نغماتِ حیات میں اصل ہندی مثنوی کی تاریخ اس طرح مذکور ہے۔

ہست تاریخ شروعِ مثنوی	کہ بود اندر عبارت ہندوی
چار دہ کم بود در سال ہزار	ابتدا شد نسخہ از روئے شمار

دوئم شعبان بود و دو شنبہ روز — شد شروع این نسخہ بیں دلفروز

آبدال

مرزا ابدال بیگ نام۔ آبدال تخلص۔ قوم مغل برہان پور کا باشندہ تھا۔ حمید اورنگ آبادی مؤلف گلشنِ گفتار کے خاص احباب میں تھا۔ زبانِ ریختہ میں طبع آزمائی کی ہے۔ خواجہ خان حمید نے شاعرِ موصوف کی بہت تعریف کی ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

غزل

دل جب سیتی تجہ عشق میں مجہ سے جدا ہوا — بھڑکا۔ جلا ہوا نہیں معلوم کیا ہوا

کیا بیوفا ہے دل کہ تری یک نگاہ میں — بیگانہ ہو کے مجہ سے ترا آشنا ہوا

کوچے سے آہ آج پری رو کے دل مرا — آیا نہیں ہے پھر کے اسے کیا بلا ہوا

سینے میں آہ دل میں تپش اشک چشم پر — شہرہ یہ عاشقی کا مری جا بجا ہوا

غمزہ میں مارتا ہے جلاتا ہے ناز میں — کیا ملکِ حسن کا صنما تو خدا ہوا

کیا مہربان تھا عشق نہ تھا جبکہ آشنا — اب بھوں چڑھا ہلال نمن کم نما ہوا

آبدال عکس یار ہے دل میں جبہاں تی

دیپن نمن تدہاں سے ترا دل صفا ہوا

عزّت

میر عبد المنّان نام۔ عزّت تخلص۔ نظام الملک آصف جاہ اول کے ہمراہ دہلی سے دکن آئے۔ نواب صاحب آصف جاہ نے جواہر خانہ اور خلعت خانے کی داروغگی پر مامور فرمایا۔ ایک روز کسی بات پر ناراض ہوکر نواب مذکور کی ملازمت ترک کی اور برہان پور آکر گوشہ نشینی اختیار کی۔ آپ کے مستعفی ہونے کے بعد تینوں فرزند میر ابو الفخر خاں میر نعمان خاں، اور میر احسن خاں عرصۂ دراز تک خدماتِ جلیلہ پر فائز رہے۔ عزّت نے آخر عمر میں برہان پور میں سکونت اختیار کی تھی۔ ۱۱۶۵ھ میں انتقال کیا۔ شعر گوئی میں ملکۂ تامہ رکھتے تھے۔ اکثر صوفیانہ مضامین موزوں کرتے تھے۔ چند اشعار فارسی بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں۔

اشعارِ فارسی

صبح و شام از گریۂ چشم تو طرح تازہ بست ۔۔۔ کفر و ایماں را سرِ زلفت بیک اندازہ بست

با تو پیوستن بود از خود رمیدن ہائے ما ۔۔۔ پردۂ حسنِ تو گردیدہ ست دیدن ہائے ما

صبح ست لالہ زار سفید و سیاہ و سُرخ
چوں چشمِ پُر خمار سفید و سیاہ و سُرخ
نیرنگِ مکر زالِ جہاں رازمن مپرس
دیدم ہزار بار سفید و سیاہ و سُرخ

نصیبِ خاکساران ست از خود باخبر بودن
بہ نقشِ پا بود ہر لحظہ ام آئینہ دیدن ہا

روئے خوبانت چراغاں میکند آئینہ را
دود دلہا سنبلستاں میکند آئینہ را

گر برائے راحتِ دل خوب می باشد وصال
بہرِ یادِ نام او بیتابیِ ہجراں خوش است
در فراقش عاشقاں اشکِ خوں باید گریست
یادِ لعلِ بے بہار اپنجۂ مرجاں خوش است

ہر سروِ ایں گلستاں آزاد بینوا نیست
ہر خندۂ گل ایں جا از چاکِ دل صدا نیست

عاشقاں را از فنا باشد عروجے در نظر
گرد بادِ خاک ما دارد تجمل در ہوا

محرم

نام محمد ماہ۔ محرم تخلص۔ نواب شجاعت خاں بہادر صوبہ دار برار کے فرزند اور شاہ نظام الدین نگرامی کے نواسے تھے۔ آپ کے والد نواب

شجاعت خاں آصف جاہ اوّل کے عہد میں منصبِ پنج ہزاری اور صوبہ داری برار سے ممتاز تھے۔ آخر راکہ غنیم کی جنگ میں سنہ [illegible]ھ میں شہید ہو گئے۔ والد کی وفات کے بعد محرم منصب دار مقرر ہوئے۔ بہت کم مدت میں محرم نے فن شعر گوئی میں کامل مہارت حاصل کر لی شفیق اورنگ آبادی ان الفاظ میں محرم کے کمالِ فن کا اعتراف کرتا ہے:۔

"خان محرم جوانے است بسلامت سلیقہ و ذکاء ذہن موصوف و بتمکین و متانت و فراست و دراست معروف۔ در اندک مدت مشق شعر بجائے رسانیدہ۔ اگرچہ کم گفتہ خوب گفتہ مشق شعر ریختہ بسیار کم می کند اکثر متوجہ شعر فارسی است"

محرم نے سنہ [illegible]ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

انتخابِ کلام

نزاکت بسکہ رکھتا ہے وہ دندانِ جواہر آرا | صفائے آئینہ ہے یار اس کے عکس ہالی کا
بجا ہے گر کہ کوئی غرقِ دریا گرداب ہووے | سلے جیوں خار اس کو ہر گلِ نازک نہالی کا

شاخ کو دیکھا کہ کس شوخی سے ناچتی ہے بہار | گل پہ شبنم نہیں ہے اس کو مئے پلاتی ہے بہار

بہار آوے تو بلبل کو قفس میں قید مت کرنا | تو ایسا ظلم اس بیکس پہ اے صیاد مت کرنا

زٹلی

نام پیر خاں۔ تخلص زٹلی۔ قوم افغان سے تھا۔ برہان پور کا باشندہ تھا۔ عرصہ دراز تک قصبۂ زین آباد (برہان پور) میں بھی مقیم رہا۔ طبیعت ہجوگوئی کی طرف زیادہ مائل تھی۔ اس لئے زٹلی تخلص اختیار کیا۔ ایک سو دس سال کی عمر پائی۔ کبھی زناکاری کا مرتکب نہیں ہوا۔ تمام ہزل گوئی اور ہجو نگاری میں بسر کی۔ زٹلی کی وفات کے بعد اس کے احباب نے دیوان مرتب کیا جو دو ہزار اشعار پہ مشتمل ہے۔ تمام دیوان فحش نگاری اور عریانی سے مملو ہے۔ چند شعر وقتِ رحلت اپنے حسب حال کہے تھے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

دو ہاتھ دھر کے نفس پہ لاچار ہو چلے .... دکھا کے یار کو اغیار ہو چلے

دولہ بنا کے آپ کو تختِ رواں اوپر کاندھے پہ چار شخص کے اسوار ہو چلے

تھی بھیڑ بھاڑ منزلِ اول تلک بہت آگے غریب و بیکس و لاچار ہو چلے

ہے کون آس پاس کسی کو خبر نہیں لاچار سرو بھانت سبک بار ہو چلے

عف عف سگوں کی سن کے جفائے رقیب دیکھ دلبر کے دستِ جور سیں بیزار ہو چلے

دو چار دن کی لذتِ دنیا کے واسطے اندر عذابِ ابد کے گرفتار ہو چلے

ماخذ: چمنستانِ شعراء، گلشنِ گفتار۔

سر سہرا باندھا کے براتی لئے ہیں ساتھ | کرنے نکاح گورمیں سوار ہو چلے
نزاکتی امیدِ عفو ہے پروردگار سے | بخشے گا اُن کو جو کہ گنہ گار ہو چلے

شہر برہان پور میں جس کا نہیں روزگار | ڈال دے تلوار ڈھال پھینک دے خنجر کٹار
...... تئیں لیپ کر ہووے سطر و دراز | گینڈے کی سی شاخ سخت رہے کھڑا برقرار

نزاکتی کہے جو بشر جانتا ہے یوں ہنر
اُس کا دنیا کے بیچ بہت سا ہو وے وقار

مرثیہ گو شعراء

جس مرثیہ نگاری کو شمالی ہند کے شعراء انیسؔ و دبیرؔ نے انتہائے کمال کو پہونچایا اس کی ابتدا دکن سے ہوئی تھی۔ بارھویں صدی ہجری کے وسط میں متعدد مرثیہ گو شعراء گذرے ہیں جن کے تفصیلی حالات اکثر تذکروں میں درج ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر محی الدین صاحب زورؔ نے اپنی تالیف "اردو شہ پارے" میں نہایت تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ ہم یہاں برہان پور کے مشہور مرثیہ نگار شعراء کے مختصر حالات مع انتخابِ کلام درج کرتے ہیں۔ اس وقت جو شعراء اس صنف میں فکرِ سخن کرتے تھے ان میں کامل۔ ہاشم علی۔ امامی اور احمد خاص طور سے قابلِ ذکر

ہیں۔ کامل کا ذکر صفحاتِ گذشتہ میں کیا گیا ہے۔ باقی شعراء کے حالات ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ ان مرثیوں میں سوز و گداز درد و الم بیچارگی بیکسی کے مناظر پیش کئے گئے ہیں۔ اور دراصل یہی مرثیہ کا حقیقی عنصر بھی ہے

مرثیہ اپنے دور کی شاعری اور زبان و ادب کا معیار رہیں۔ نیز کسی حد تک قدیم رسم و رواج کے آئینہ دار بھی ہیں۔ قدامت زبان سے قطع نظر شہدائے کربلا سے جو گہری عقیدت ان مرثیوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی مثال شمالی ہند کے شعراء میں کم یاب ہے۔

ہاشم علی

علی محمد خاں نام۔ ہاشم علی تخلص۔ برہان پور کا باشندہ اور ولی دکنی کا معاصر تھا۔ ولادت اور سنِ وفات کے متعلق ہنوز تحقیق نہ ہوئی۔ ۱۱۶۹ھ تک بقیدِ حیات رہنے کا پتہ چلا ہے۔ مرثیہ نگاری کے سوا دیگر موضوعات پر فکر نہیں کی۔ ہاشم علی کے مرثیے درد و الم اور سوز و گداز سے معمور ہیں۔ نہایت حسرت انگیز اور رقت خیز پیرائے میں یتیمی اور بیکسی کے مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔ اکثر مرثیے بطرز ... نظم کئے ہیں۔ جو شاعر مذکور کو دیگر معاصرین سے ممتاز کرتے ہیں۔ زبان کی خصوصیات ولی دکنی سے ملتی جلتی ہیں۔ ہاشم علی کا کلیات مراثی

۲۳۸ مراثی پر مشتمل ہے جو دیوان حسینی کے نام موسوم ہے۔ دیوان مذکور آکسفورڈ یونیورسٹی (انگلینڈ) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

علاوہ ازیں دیوان مذکور کے ایک اور نسخہ کا ذکر مولانا سلیمان صاحب ندوی نے کیا ہے۔ موصوف نے شیخ عبد القادر صاحب پروفیسر پٹنہ کالج (پٹنہ) کے کتب خانے میں دیکھا تھا جس سے ہاشم علی کے متعلق نئی معلومات کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ نسخہ مصنف کی زندگی میں تحریر کیا گیا ہے۔ جو ۱۷ سطری سطر کے ۲۰۴ صفحات پر حاوی ہے۔ اپنی ضخامت اور دیگر خصوصیات کے اعتبار سے ہندوستان میں یہ مجموعہ تنہا اور یکتا ہے۔ اس مجموعہ مراثی کے متعلق مولانائے موصوف نے جو تفصیل لکھی ہے اس کا مختصر اقتباس درج ذیل ہے۔

"یہ نسخہ ۲۲×۲۰ کی تقطیع پہ پرانے کشمیری کاغذ پر خوشخط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ جدول اور زنج کی لکیریں سرخ ہیں۔ اصل دیوان اسی خط اور جدول میں ہے۔ دیوان حروف ابجد کی ترکیب پر الف سے یا تک مرتب ہے" (نقوش سلیمانی)

دیوان کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

تمام شد دیوان حسینی گفتۂ علی محمد خان دام ظلہ تخلص ہاشم علی

اب ہم ہاشم علی کے مراثی کا انتخاب مختلف موضوعات پر ہدیۂ ناظرین

کرتے ہیں ۔

ایک دُولھا دُلہن

جلوہ سیں اُٹھ کے رن کوں چلا تب کہی دُلہن ۔ دامن پکڑ کے لاج سوں انجھواں بھرے نین
مت چھوڑ کر سدھارو تم اس جہاں میں ہمن ۔ تم بِن رہے گا ہائے یہ سونا بھون مرا

کیسی یو کد خدائی و کیسی ہے یو برات ۔ آتا فراق تم سوں یہ جلوہ کی آج رات
گھر کوں نہ لے گئے ہو نہ بولے ہو ہم سے بات ۔ دیکھا نہیں جمال کو بھر کے نین مرا

اس کربلا کے بن میں اکیلی میں کیوں رہوں ۔ تجھ باج میں جہاں میں پھر امید کیا کروں
جد کے مدینہ کیونکہ میں اس ٹھار سے پھروں ۔ تم اپنے ساتھ لے کے دکھاؤ وطن مرا

جاتے ہو چھوڑ رن کی طرف مجھ کو تم رُلا ۔ نیں شرم کا ہنوز یہ مُج سوں گھونگھٹ کھلا
کرتے نہیں محبت و جاتے میا بھلا ۔ اِس زندگی سوں آج بھلا ہے مرن مرا

شعلہ لگا ہے دل منے اس غم کا کیا کروں ۔ مجھ کو روا ہوا ہے اگر زہر کھا مروں
دوری میں ہائے تیری میں دن رین کیوں بھروں ۔ فرقت کی آگ سے تمہیں جلے گا بدن مرا

قاسم کھڑا تھا روتے نین سُن دُلہن کی بات — غم ناک اپنا دیکھ کے دامن دولہن کے ہات
تب او دردناک سوں بولا دُلہن کے سات — اے بوستانِ راحت و سروِ چمن مرا

مجھ کو نہیں ہے تیری جدائی کا اختیار — تیرے فراق ساتھ میں جاتا ہوں اشکبار
میں کیا کروں صلاح نہیں حکم کردگار — حق نے کیا ہے رن میں مقرر رہن مرا

ہے داغ دل میں تیری جُدائی کا کیا کروں — نئیں ہے امید رن سے پھر آکر تجھے ملوں
جو کچھ ہوا مقدروں میں راستی کہوں — وعدہ ہوا ہے حشر میں تم سوں ملن مرا

بچے کا غم

بالے اصغر کے تئیں بُلاتی رہی — سونا یہ پالنا جھُلاتی رہی،
جھولا تیرا پڑا رہا خالی، — ڈوری مجھ ہات میں ہلاتی رہی
ہائے کیوں روٹھ کر گیا مجھ سوں — میرے پیارے کے تئیں مناتی رہی
بھول کیوں تو چلا مَیں ماں تیری — آرے اصغر تجھے بُلاتی رہی
میں سُلاتی تھی جب لگا چھاتی — آنچل اپنا تجھے اُڑاتی رہی
رات دن میں کبھی نہ دی رونے — کر کے باتاں تجھے ہنساتی رہی

تھا برس گانٹھ کا تجھے ارماں　　لال جامہ ترا سِلاتی رہی،
قاسم آیا ہے جب بیاہنے کو،　　میں تماشہ تجھے دکھاتی رہی
لہو بھرا آج کیوں ترا مکھ ہے　　جس کوں ہاتوں سے میں دُھلاتی رہی
دودھ پیتا مرا گیا بالے　　غم سوں چھاتی حری بھرتی رہی
تجھ کو بھاتی نہ تھی اندھاری رات　　تیری خاطر دیوا جلاتی رہی،
کر کے تعویذ دل اوپر رکھتی　　بدنظر سے تجھے چھپاتی رہی،
کیوں نہ آخر ہوئی عمر میری　　تجھ بنا حیف مجھ جیاتی رہی،

اصغرؑ کا ماتم

آج پُر خوں کفن ترا اصغرؑ　　آج سوکھا دہن ترا اصغرؑ
لال ہے گلبدن ترا اصغرؑ　　حیف یہ بال پن ترا اصغرؑ

کیوں ہیں زلفاں کے بال تاروتار　　کیوں لہو کی گلے سوں جاری دھار
تجھ کوں سوتے کبھو نہ لگتی بار　　حیف یو بال پن ترا اصغرؑ

اُٹھ گلے کا لہو دھلاؤں میں　　نیند آتی تجھے سُلاؤں میں
جِل ترا پالنا جھلاؤں میں　　حیف یو بال پن ترا اصغرؑ

کیوں جدا مجھ سے تئیں کئے تجھ کوں | پھریں گودی لئے پھروں تس کوں
کیونہ لاگی بلا تری مجھ کوں | حیف یو بال پن ترا اصغرؑ

اللہ اللہ کب تجھے پالا | من میں یوں تھا کرو دنگی بسم اللہ
ہائے تیرا گیا جیو بالا | حیف یو بال پن ترا اصغرؑ

کس کا اب پالنا جھلاؤں گی | لوری دے دے نئے سلاؤں گی
کس کو چھاتی سے تیں لگاؤں گی | حیف یو بال پن ترا اصغرؑ

بی بی فاطمہؓ کا بین

آیا محرم اوڑتا دھولارا | روتا ہے عالم اس غم میں سارا
خیر النساءؓ نے تب یوں پکارا | میرا حسینؑ ناحق مارا

ہے ہے حسینؑ تیری جوانی | تھا قطب تارا تیری پیشانی
دو جا نہیں تھا کوئی جگ بیچ ثانی | میرا حسینؑ ناحق مارا

جب تشنگی سوں توں تلملایا ساتوں سمندر تب کھلبلایا،
نئیں ظالماں نے پانی پلایا میرا حسینا ناحق مارا،

توں عرش کا تھا روشن ستارا تیرا شرف تھا سب آشکارا
ہے آج تیرا سر تن سوں نیارا میرا حسینا ناحق مارا،

اماؔمی

یہ بھی برہان پور کا رہنے والا تھا۔ مہرکنی کا پیشہ کرتا تھا۔ ولیؔ کے معاصرین سے تھا۔ مرثیہ نگاری کے سوا دیگر موضوع پر فکرِ سخن نہیں کی۔ جیسا کہ تذکرۂ فتوت کی تحریر سے ظاہر ہے۔

مرثیہ ہا می گوید و بر سبیل مدح حضرت امام شہید علیہ السلام
می پوید و حبّ آلِ عبا در دلہائے محبّاں می افزاید (ریاضِ حسینی)

اماؔمی کے مرثیے دل کش اور اثر انگیز ہیں۔ زبان بھی معاصر شعرا سے صاف اور سلیس ہے۔ اڈنبرا (انگلینڈ) کے کتب خانے میں اماؔمی کے ۸ مرثیے موجود ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

کیا ظالماں نے ظلم کیا بے حساب آج　　مظلوم کربلا میں ہیں عالی جناب آج
اس غم سے مومناں کو ہوا پیچ و تاب آج　　گویا علیؑ کے گھر کا کھلا غم کا باب آج

تھا آئینہ رسولؐ کو درشن حسینؑ کا　　ہے وہ جفا کی گرد میں درپن حسینؑ کا
زخماں کے جوہراں ہیں دسے تن حسینؑ کا　　دستا ہے جوں شفق میں نول آفتاب آج

کیوں عرش فرش پر نہ گرا بے قرار ہو　　کیوں تاب لا سکے نہ فلک دیکھ ظلم یو
مینا سے قد کوں شہ کے شکستہ کیا دیکھو　　سنگیں دلاں نے ظلم کی پی کر شراب آج

یارب بحقِ خواجۂ کونین مصطفےٰؐ　　یارب بحقِ فاطمہؓ نا موس مرتضےٰؑ
یارب بحقِ جملہ امامانِ مجتبےٰؑ　　بر لا ہر اک مراد احمد ہی شتاب آج

احمد

یتیم احمد نام۔ تخلص احمد باشندۂ برہان پور۔ غالباً ہاشم علی کا معاصر تھا۔ اکثر انھیں ردیف و قوافی میں فکرِ سخن کی ہے جو ہاشم علی برہان پوری کے کلیات مراثی میں موجود ہیں۔ جامعہ اڈنبرا کے کتب خانے

میں احمد کے مرثیوں کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے۔ زبان اپنے معاصر مرثیہ گو شعراء کی نسبت صاف اور سلیس نہیں ہے۔

دو بند بطور نمونۂ کلام درج ہیں۔

حیف گھائل حسینؑ تن تیرا ؛ جسم پر خون ہے پیرہن تیرا
تو کہاں ہور کدھر ہے تن تیرا کیوں بسیرا ہوا ہے رن تیرا

نئیں ملیا بوند کس کے تئیں پانی سخت طفلاں کے سر پو حیرانی
حیف اصغرؑ نے تجھ کو کروانی جگ سوں پیاسا گیا ہے تن تیرا

کامل

میر کامل نام، کامل تخلص۔ برہان پور میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ فن شعر و سخن میں استادانہ مہارت رکھتے تھے۔ عین عالم شباب میں فوت ہوئے۔ [illegible] تصنیف مشغلہ تھا۔ اکثر فارسی اشعار موزوں کرتے تھے۔ دو شعر نمونتاً درج کئے جاتے ہیں۔

غنچہ چوں در باغ دعوئ دہان تنگ کرد گل بخندید از تمسخر گفت بلبل واہ واہ
شاید امشب در چراغان رو بگل بشگفتہ جنگ با پروانہ دارد فوج بلبل واہ واہ

عاصی

شیخ نور محمد نام۔ عاصی تخلص برہان پور کے مشہور شعرائے قدیم سے ہیں۔ اکثر تذکروں میں موصوف کے حالات کم و بیش تحریر ہیں۔ عاصی کے والد آصف جاہ کے عہد میں دہلی سے برہان پور آئے اور نواب نصیر الدولہ عبد الرحیم خاں صوبہ دار برہان پور کے زمرۂ ملازمین میں داخل ہوئے۔ عالم و فاضل اور صوفی مشرب تھے۔ عاصی کی ولادت شہر برہان پور میں ہوئی۔ جب سن شعور کو پہنچے تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ عاصی شاہ غلام محمد صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ شاہ صاحب اور دیگر مقامی علما سے کتب درسی فارسی و عربی کی تکمیل کی۔ شعر و سخن کا ذوق بچپن سے ہی تھا۔ فن شاعری میں مرزا محمد علی سلیم برہان پوری سے تلمذ حاصل تھا۔ استاد کی توجہ سے بہت جلد شعر گوئی میں ماہر کامل ہو گئے۔

ایک مرتبہ نواب نصیر الدولہ کی تعریف میں ایک قصیدہ موزوں کر کے پیش کیا۔ نواب ممدوح نے انعام اور بیش بہا خلعت مرحمت فرمایا اور آپ کو خزانہ و قلمدان کا داروغہ مقرر کیا۔ نواب مذکور کی وفات کے بعد آپ آصف جاہ اول کی ملازمت سے مشرف ہوئے۔ آصف جاہ مرحوم

کے بعد کچھ عرصہ تک نواب ناصر جنگ شہید اور نواب صلابت جنگ کے یہاں سابقہ منصب پر فائز رہے۔ بعد ازاں ۱۱۶۶ھ اور بقول بعض ۱۱۶۵ھ میں میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی ملازمت سے بھی بہرہ یاب ہوئے۔ اس کے بعد میر عبدالحی خاں بہادر صوبہ دار برار کی ہمراہی میں مدت تک رہے۔ آخر میں برار سے اورنگ آباد آئے۔ اور ملازمت ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آخر عمر میں اپنے وطنِ مالوف برہان پور آئے۔ ۱۱۸۵ھ میں رحلت کی اور برہان پور ہی میں مدفون ہوئے۔ عاصی فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے تھے۔ اگرچہ زبانِ ریختہ میں کبھی کبھی فکرِ سخن کرتے تھے لیکن جو اشعار موزوں کرتے تھے نہایت صاف اور سلیس ہوتے تھے۔ اور یہ خصوصیت اس دور میں سوائے ولی دکنی کے دیگر شعراء کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ عاصی کے تمام معاصر تذکرہ نویسوں نے موصوف کے کمالِ فن کا اعتراف کیا ہے جس کے مختصر اقتباسات درج ہیں۔ شفیق اورنگ آبادی لکھتے ہیں:۔

طبع موزوں و ذہن ثاقب دارد۔ فکر فارسی ہم بہ نہایت عندبت می کند۔ و از غزل گوئی بسیار محظوظ ست۔ فکر ریختہ کم می کند

(چمنستانِ شعراء در صفحہ ۲۷۸)

مؤلفِ مردم دیدہ کی رائے ہے کہ:۔

"طبیعتِ عاصی سلیم و حلیم ہے کلام صاف اور پاکیزہ ہوتا ہے۔
خوب کہتے ہیں۔ آپ کی زبان میر عزت کی زبان ہے زیادہ صاف
ہے (شعرائے دکن صفحہ ۳۰۸)"
مؤلف تحفۃ الشعراء تحریر کرتے ہیں :-
"طبع نظم درست دارد"

اب ہم عاصی کے فارسی کلام اور اردو اشعار کا انتخاب اور چند رباعیات درج کرتے ہیں جس سے شاعر موصوف کی قادر الکلامی اور سلاستِ زبان کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ساقیٔ ما گر دمے آرد بدست آئینہ را سازد از جام نگاہِ خویش مست آئینہ را
می نشیند پیش رویت ہر سحر با اعتقاد شعلۂ حسن تو کرد آتش پرست آئینہ را
تا قیامت باز خواہد داشت چشمِ خویشتن پیش رخسارِ تو حیرت نقش بست آئینہ را
از تغافل ہائے او در سینہ شد دل لخت لخت کم نگاہی ہائے آں ظالم شکست آئینہ را

فتادہ عکس رخش بے حجاب در تہِ آب نمود جلوۂ صد ماہتاب در تہِ آب
چناں ز ہجرِ تو عاصی گریست ای ظالم کہ گشت خانۂ مردم خراب در تہِ آب

صورتِ خود دید آئینہ و از خویش رفت ساقیِ من مست جامِ لعلِ میگونِ خود است

مصرعِ خود را اگر سروِ سہی موزوں نوشت — غنچہ ہم در فکر بند و بستِ مضمونِ خود است
اعتبارِ دولتِ دنیا بچشمِ عشق نیست — دامنِ ما پر گہر از چشمِ پر خونِ خود است
روشنی آرد دلِ عاصی بسوئے ہیچ کس — تا جمالِ یار در خود دیدہ مفتونِ خود است

زدودِ آہِ ما ایں گنبدِ مینا ست میدانی — سحابش از کفِ دریائے اشکِ ما ست میدانی
نباشد بر فلک رنگِ شفق قاتل کہ می بینی — ز خونِ کشتگانت ایں نشاں پیدا ست میدانی
بخونِ عاشقاں از بسکہ بازی کردۂ ظالم — بدستِ ناز رنگِ حنا زیبا ست میدانی

بسکہ داغِ سجدہ بر لوحِ جبیں کردیم طرح — از برائے نامِ خود نقشِ نگیں کردیم طرح
تار و پودِ خرقہ را کردیم رنگ از خونِ دل — تا لباسِ خاکساری را چنیں کردیم طرح

با قدِ خم شدہ از درد کشیدم آہے — تیرِ ناوک ز کماں جست خدا خیر کند
میروم در سفرِ عشق بچشمِ گریاں — راہِ ایں بادیہ آب ست خدا خیر کند

اوراقِ دلم را چو پریشاں کند آں زلف — با تارِ نگہ از مژہ شیرازہ کند چشم
گر یک قدم از لطف گذاری سوئے عاصی — از دل بکند خانہ و دروازہ کند چشم

رُباعیّات

تا جلوہ گر ایں آئینہ آفاق است
ہر کس بجمالِ خویشتن مشتاق است
از سوزِ تو اے درد کسے آگہ نیست
ایں راز کہ پردۂ دلِ عشّاق است

در عرصۂ دہر تا کہ پیدا است سخن
روشن گرِ آئینۂ دلہا است سخن
از بسکہ بہ ہر کس خریدارش نیست
از بے قدری چو ماہِ نو کاست سخن

اے شکلِ ہلال کردۂ ابرویت
آئینۂ ماہ پرتوے از رویت
آساں نتواں ز بندِ عشقت رستن
آویختہ دل بجاست گیسویت

کلامِ اُردو

تجھ غم کی آگ دل میں رکھا ہوں چھپا کے میں
ڈرتا ہوں تا فلک نہ اڑے یہ شرر کہیں
تجھ قد کی جب سے نقل کیا ہے چمن میں جا
دیکھا نہ تب سے سرو نے روئے ثمر کہیں
سمجھے ہے [illegible] تم نے چھوڑ دیا
بیٹھے کہیں ہیں ہم بات کہیں ہے نظر کہیں
آتا ہے تیرے منہ کے مقابل [illegible]
ایسا گرا کہ تیغ کہیں اور سپر کہیں

رُباعیّاتْ

گر نسخۂ توحید سے پایا ہے سبق آ دیکھ ہر طرف کہ ہے جلوۂ حق
نادان نہ پاوے سخنِ عشق کی رمز مانندِ قلم تا نہ کرے سینہ شق

کیا ظلم ہے اے سوئی سی پلکوں والے آہستہ سیو زخم ہیں دل کے آلے
ترچھی وہ نظر گذر گئی سینے سے ورنہ نیزے بہت ہیں دیکھے بھالے

موزوں

خواجم قلی خاں نام ۔ موزوں تخلص ۔ اور ذوالفقار الدولہ قائم جنگ خطاب تھا ۔ آپ کے والد مذہب ترکمان شرفائے توران تھے ۔ عالمگیر بادشاہ کے عہد میں سبحان قلی خاں والئی بخارا کی طرف سے بتقریب سفارت ہندوستان آئے ۔ ۱۱۳۶ھ میں موزوں نوّاب آصف جاہ بہادر کے زمرۂ ملازمین میں داخل ہوئے ۔ نوّاب مذکور نے برہان پور میں جاگیر عطا فرمائی اور کھرگون (خاندیس) کی فوجداری پر مقرر کیا ۔ موصوف طویل مدّت تک اس منصب پر رہے ۔ اس کے بعد ناصر جنگ شہید کے زمانے میں برار کی صوبہ داری پر مامور ہوئے ۔ چند مہینے کے بعد کسی وجہ سے معزول

ہوئے بعد ازاں برہان پور کے ناظم مقرر ہوئے۔ آخر نواب صلابت جنگ کے عہد میں بڑی عزت و عظمت پائی۔ نواب موصوف کے خاص امراء میں شمار ہوتا تھا۔ قائم جنگ ذوالفقار الدولہ کا خطاب پایا۔ جب خاندیس پر مرہٹوں کا تصرف ہوا۔ اس وقت یہ صوبہ داری سے علیحدہ ہو گئے۔ نواب صلابت جنگ کی خدمت میں پریشان اور خستہ حال حیدر آباد آئے نواب صاحب بہت خاطر و مدارات سے پیش آئے۔ اور قصبۂ حل گاؤں ضلع آکولہ (برار) آپ کو جاگیر میں مرحمت کیا۔ موزوں جاگیر کی سند لے کر قصبۂ مذکور میں آئے۔ یہاں باقی زندگی عیش و آرام میں بسر کی۔ آخر ۱۱۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ موصوف فارسی اور اُردو زبان میں فکر سخن کرتے تھے۔ موزوں کے حالات دکن اور شمالی ہند کے اکثر تذکروں میں تحریر ہیں۔

مؤلف چمنستانِ شعراء لکھتے ہیں:۔

"شعر فارسی خوب می گفت غزلیاتش کہ در جواب غزلیات نظام الدولہ شہید طرح نمودہ بنظر درآمد خوش محاورہ است"

صاحب تحفۃ الشعراء کے الفاظ ہیں:۔

"دماغ عالی دارد۔ از طبع رسا فکر شعری نماید و دیوانے ترتیب دادہ"

میر تقی رقم طراز ہیں:۔

"نواب خواجم قلی خاں ہفت ہزاری صوبہ داری برہان پور است و از معتقدانِ سید صاحب است۔"

میر حسن دہلوی تحریر کرتے ہیں :۔

"خواجہ قلی خاں موزوں تخلص۔ صوبہ دارِ قلعۂ برہان پور در عہدِ بہادر شاہ بود۔"

انتخابِ کلام

الٰہی بر فروز از برقِ وحدت شمعِ جانم را ۔۔۔ برنگِ شعلہ گرم سیرِ شوقت کن روانم را
بسانِ لالہ کن داغِ دلم را رونقِ گلشن ۔۔۔ ز آبِ رحمتِ خود سبز گرداں بوستانم را
تنم چوں مورِ نازک شد ز ضعفِ خود پرستی ہا ۔۔۔ توانا کن بعشقِ خویش جسمِ ناتوانم را
بہ تن از شوقِ خود چوں شمع سرگرمِ تجلی کن ۔۔۔ ز سوزِ سینہ روشن ساز مغزِ استخوانم را
ز بس خوں خوردہ است از جوئے وحدت گلبنِ طبعم ۔۔۔ نہ سازد فرق کس از برگِ گل برگِ خزانم را
دلم ہمچوں صدف دارد امیدِ قطرۂ جودت ۔۔۔ گہر افشاں ز جودِ خویش کن یارب زبانم را

ز پندارِ خودی یارب تہی کن خاطرِ موزوں
چو نے دمساز کن با نغمہ پردازی دہانم را

نہاں چوں غنچہ نتواں کرد در صد پردہ راز اینجا ۔۔۔ چو شمع آرائشِ دل گل کند سوز و گداز اینجا
جہانم ہمچو گل خنداں و من چوں غنچہ دل تنگم ۔۔۔ کہ جز چاکِ گریبانم نشد کس چارہ ساز اینجا
بہ پیشِ چشم منت نیست کارم جز سجود امشب ۔۔۔ چو مینا می کنم در عینِ مستی ہا نماز ایں جا

بہ یادِ قامتِ شوخے کہ از خود رفتہ ام یارا — بچشمِ ہر گیاہے می نماید سرو نازا ایں جا
ز سوزِ شمع آید نکہتِ مشکِ ختن ہر دم — اگر گویم سخن امشب از آں زلفِ دراز اینجا
ز کیر نگانِ عشقش زاہدا ز مشرب چہ می پرسی — میانِ مسجد و میخانہ نبود امتیاز ایں جا
براہِ عشق منشیں یک زماں بے چشمِ تر موزوں — چو شمع از کف مدہ سر رشتۂ سوز و گداز اینجا

نمونۂ اُردو

آیا ہے رشکِ حور نہ جانوں کریگا کیا — برپا کیا فتور نہ جانوں کرے گا کیا

موزوں نے اس کے عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور نہ جانوں کرے گا کیا

تسلیم

محمد قلی تسلیم کے بزرگ ہمدان کے باشندے تھے۔ تسلیم کی ولادت برہان پور میں ہوئی۔ یہیں نشو و نما پائی۔ صوفی مشرب تھے۔ درویشانہ زندگی بسر کی۔ نواب منور خاں خویشگی متوفی ۱۱۵۶ھ آپ کے معتقد تھے۔ اور بہت احترام سے پیش آتے تھے۔ تسلیم نواب ناصر جنگ شہید کے زمانے میں بقیدِ حیات تھے۔ نواب موصوف کے انتقال کے بعد آپ برہان پور میں فوت ہوئے۔ سنِ رحلت ۱۱۷۹ھ ہے۔ فارسی اشعار موزوں کرتے تھے۔ مؤلف

شعرائے دکن نے موصوف کے کلام کی بہت تعریف کی ہے۔ تسلیم صاحبِ دیوان تھے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں۔

فکرِ خود در فکرِ بالائے تو عالی کردہ ام | زاں کمر باریک تر نازک خیالی کردہ ام
در فراقت نیست غیر از سرگرانی با نسیم | داغ پہلوئے تو گلہائے نہالی کردہ ام
حرف حرفم خوش نگاہا! بر زند ناخن بدل | بسکہ من تعریف ابروئے ہلالی کردہ ام

چہ نگارم ز بے قراری ہا | بے قرارم با نتظاری ہا
چہ گلہ از تغافلِ یارست | چوں ز خود نیست چشم یاری ہا
سوخت از بہرِ شمع پروانہ، | شمع را بہرِ کیست زاری ہا

شعلۂ سر زدہ تسلیم ز دل حرفِ کلیم | می کشد خار دریں بادیہ داماں از من

قائم

میر محمد قائم برہان پور کا باشندہ اور قادر الکلام شاعر تھا۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ چند اشعار تحریر کیے جاتے ہیں۔

بات پانا ہے بے قراری کی | چوں نہ بولوں کتھا پیاری کی
پان کی نوک سے تنبولن تو | مت بتا او چھریں کٹاری کی

لب و دنداں او پرتیرے اے لال　　　صدف دل نے دُرنثاری کی

آسماں جا چھپے ہیں مہر و وفا　　　لیک ہے تیسری کناری کی

رات دن کے ورق پھرا قائم　　　چرخ نے جگ میں حیلہ کاری کی

عاشق

میر بھیلی نام عاشق تخلص تھا۔ بُرہان پور میں پیدا ہوئے۔ نواب آصف جاہ کے منصب دار تھے۔ سفر و حضر میں ہمیشہ ہمرکاب رہتے تھے۔ فنِ شعر میں خاص مہارت حاصل تھی۔ اکثر زبان ریختہ میں فکر سخن کی ہے۔ آپ کے اشعار میں صنعتِ ایہام بکثرت پائی جاتی ہے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر موصوف کا کلام خاص و عام میں مشہور اور مقبول تھا۔ ۱۱۸۷ھ میں انتقال ہوا۔

انتخابِ کلام

جیت میری ہے عشق بازی میں　　　جب سے دلبر نے مجھ کو ہار دیا

جام کو لب سے آشنا مت کر　　　نام اس کا پیا کٹورا ہے

گشت کو قوال کا کرو موقوف　　　آج کی رات جام پھرتا ہے

ہیں شہیدِ کربلا سب سُرخ پوش مصطفٰے کی آل کا کیا رنگ ہے

جس وقت جان نکلی مجھ پاس کوئی نہ آیا شمشیر تیری اک دم بیٹھی تھی میری سر پہ

رُلا لایا رجب بولا مرا آنا روپے پر ہے تو ہم بولے کہ منہ دیکھو روپے کے سو آنے ہیں

اری درزن! جو مانگے گی سو دونگا شتابی سے میرے سینے کو لگ جا

میں کہا تیرے بدن پر کیا بھلی لگتی ہے راکھ ہنس کہا جوگی پسر نے خاک لگتی ہے بھلی

کر تک کے دفع کدورت اس گھڑی اڑکے نہ جا تجھ کو اپنے پیر کی سوں اے جواں لڑکے نہ جا

چاہتے ہو جو رونقِ وصلی خط کو اصلاح دیکے صاف کرو

نشّے اُترے محبّت کے ہمارے گھٹا و خط کی سبزی کو پیارے

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں لیک منہ دیکھی آشنائی ہے

سلونے سجن! تیرے کوچے میں ستی × شب و روز عشاق کا شور ہے۔

ہر اک ساغر کے پیچھے چومنا پستہ دہن اس کا
گزک عاشق علی خاں کو یہی مستی میں بھاتی ہے

خوش لگا لیٹنا سُنارن کا جس کے سونے میں پارہ پانی ہے

درسی

نام سید محمد درویش۔ درسی تخلص سوجی انجن گاؤں ضلع امراؤتی (برار) کے باشندے تھے۔ وہیں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت پائی۔ نواب عضد الدولہ بہادر صوبہ دار برار کے زمانہ میں منصب دار شاہی تھے نواب مذکور کی ملازمت سے مشرف تھے۔ فن نظم اور نثر نگاری میں یکساں مہارت حاصل تھی۔ نواب صاحب کی فرمائش پر ۱۲۳۳ھ میں کتاب نادر پسند منظوم کی۔ نواب عوض خاں اور گلزار خان سدخانی کی تعریف میں قصائد لکھے۔ درسی صاحب دیوان تھے۔ ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ نمونۂ کلام۔

ساغرم پُر نور کن ساقی بیا ساقی بیا پردۂ راز دور کن ساقی بیا ساقی بیا
کشورے شیریں سخن آبادِ حمدش در بیا درسخن منصور کن ساقی بیا ساقی بیا

ایجاد

علی نقی ایجاد۔ دکن کے مشہور شعرائے قدیم سے ہیں آپ کے والد نقد علی خاں شیخ علی خاں وزیر شاہ سلیمان صفوی کے قرابت دار تھے۔ آصف جاہ اوّل کے زمانے میں دکن آئے۔ کچھ عرصے تک برہان پور میں مع اہل و عیال سکونت اختیار کی۔ بعد ازاں حیدرآباد آکر نواب آصف اول کی ملازمت سے سرفراز ہوئے۔ اور دیوانیِ حیدرآباد کے عہدے پر فائز ہوئے سنہ ۱۱۶۴ھ میں انتقال ہوا۔ ایجاد کی ولادت برہان پور میں واقع ہوئی۔ یہیں نشو و نما اور تعلیم حاصل کی۔ شعر و سخن کا ذوق ابتدا ہی سے تھا۔ شاعری میں اپنے والد سے استفادہ کیا۔ آغازِ جوانی میں اپنے والد کے توسل سے آصف جاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ نواب موصوف ایجاد کی علمی لیاقت اور استعداد سے بہت متاثر ہوئے۔ چند روز مصاحبت میں رکھا۔ بعد ازاں لشکر کی کوتوالی پر مامور فرمایا۔ کچھ روز کے بعد فیل خانے کے داروغہ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد کچھ مدت تک بلدۂ حیدرآباد کی کروڑگیری پر بھی مامور رہے۔ والد کے انتقال کے بعد نواب ناصر جنگ شہید نے موصوف کو دیوانی حیدرآباد اور موروثی خطاب نقد علی خاں سے مشرف فرمایا۔ اس منصب کو عرصۂ دراز تک نیک نامی

اور دیانت داری کے ساتھ انجام دیا۔ موصوف کے حسنِ اخلاق اور مروت
خلوص کی وجہ سے اہلِ دکن آپ سے بہت مانوس ہوگئے تھے۔ اپنے
عہدِ منصفی میں کسی پر ناجائز ظلم و تعدی روا نہیں رکھا اور کسی کی طرف داری
اور رعایت نہیں کی۔ ایجاد کا سنِ وفات کسی تذکرے میں درج نہیں ہے۔
مؤلفِ شعرائے دکن نے قیاساً ۱۲۰۸ھ لکھا ہے۔ لیکن تذکرۂ محل عجائب کی
تحریر سے ۱۲۱۳ھ تک زندہ رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ انتقال کے بعد موصوف
کی لاش حیدرآباد میں دفن کی گئی۔ بعد ازاں آپ کے اقرباء نے کربلائے معلیٰ
لے جاکر سپردِ خاک کیا۔ اگرچہ ایجاد کی عمر کا بیشتر حصہ حیدرآباد میں گذرا پھر
بھی اپنے وطنِ مالوف برہان کو فراموش نہ کیا۔ جیسا کہ موصوف کے ایک شعر
سے ظاہر ہے ؎

غریبے گر کند یادِ وطن مسرور می گردد دلم دار السرور از یادِ برہانپور می گردد

ایجاد صاحب دیوان تھے۔ موصوف کا قلمی کلیات نواب سالار جنگ
وزیر مرحوم کے کتب خانے میں موجود تھا۔ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں
میں طبع آزمائی کی ہے۔ ایجاد کی مہارتِ فن کا اعتراف دکن کے اکثر
تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔ موصوف کے تینوں فرزند انصاف، نیر، اور افسر
بھی مشہور شاعر تھے۔ ایجاد کا اردو نمونۂ کلام پیش ہے۔

بیٹھا ہوں تری ابروئے خمدار کے نزدیک سر اپنا رکھا ہوں اسی تروار کے نزدیک

ہوں مردۂ دیدار مری نعش کو یارو ۔ رکھ دیجیو ٹک اُس نرگسِ بیمار کے نزدیک
بکتا ہوں زرِ مہر کو بازارِ وفا میں ، ان مولوں گراں ہیں نہیں ہیں خریدار کے نزدیک
کہیں اور نہ ڈھونڈیو حشر میں ایجاد ۔ پاسے ہوں وہاں حیدرِ کرار کے نزدیک

جس طرح ہے عندلیبوں کو گلستاں کی تلاش ۔ اس طرح سے ہی ہے مجھ کو سیرِ خوباں کی تلاش
جس کے لب کی گفتگو سے شور میں آوے جنوں ۔ میرے داغِ دل کو ہے ویسی نمکداں کی تلاش

تم کو ہے یارو اگر حسنِ بیاں کی احتیاط ۔ جیوں قلم ہر بات میں کیجے زباں کی احتیاط
آنسوؤں کے کر چکا ہوں میں حوالے آہ کو ۔ بہر کیں ہے فوج کے فتحِ نشاں کی احتیاط
احتیاطیں کرتے کرتے مر چکے ایجاد ہم ۔ اب جو نوبت جان پر آئی کہاں کی احتیاط

کھول زلفوں کو صنم چھوڑ گرفتاروں کو ۔ کب تلک باندھ رکھے گا تو گنہگاروں کو
یار آتا ہے ارے دل کہ اب اشکوں سے شتاب ۔ جوش آنکھوں کے بھریں چھوڑ دیں فواروں کو
جس کے ہم ہو رہے ایجاد اسی ہی سے ہے رجوع ۔ اور یاروں ستی کچھ کام نہیں یاروں کو

حاضر رہا ہوں ساتھ جہاں تو چلا پھرا ۔ قدموں سے تیرے سایہ نمط میں لگا پھرا
خط تو نے جس کا لایا ای قاصد وہ آچکا ۔ تجھ کو بُرا تو کیا کہوں اب بھی بھلا پھرا

آ ایجاد بیٹھ رہ تو نجف کی زمین میں نقشِ قدم ہو خاکِ رہِ بوتراب کا

ہم اسیروں کو تری زلفوں ہی سے وابستگی کون کافر چاہتا ہے ایسے داموں سے نجات

تربت پہ میری شمع اگر تو نہ لائے گا جلتا رہوں گا حشر تلک میں کفن کے بیچ
تجھ لب سا کوئی عقیق نہ پایا سہیلؔ نے راتوں کو بھی چراغ لے ڈھونڈا یمن کے بیچ

ہوں ترے نقشِ قدم سا میں زمیں گیرِ فراق تجھ سے کیا اب خاک ہو سکتی ہے تدبیرِ فراق

آج آنے سے ترے یوں ہوا دل شاد کہ بس اس خرابے کو تو ایسا کیا آباد کہ بس
رات شیشے کو جھکاتے ہی بھری مجلس میں اس مزے سے مجھے ساقی نے کیا یاد کہ بس

میکدے میں کون رکھتا غیرتِ پیرِ مغاں گر نہ دیتی دخترِ رز اپنی حرمت کی قسم
میں جدا تجھ سے نہ ہونگا تو بھی دل مجھ سے نہ پھیر مجھ کو الفت کی قسم تجھ کو مروت کی قسم

کیسے دریا سا دل اپنا ہم اسی دلدار دیتے ہیں ہر اک کو ہم کہاں گوہرِ شہوار دیتے ہیں
خبر جو اس کمان ابرو کی خیر تیغ کی لاتا ہے اسی دم ہم اسے انعام اک تلوار دیتے ہیں

یکایک میرا طفلِ اشک گھر سے چل دیا یونہیں — ہر اک لڑکا ہوا خود اختیار آہستہ آہستہ

رکھا ہوں اس دلِ نازک کو جان کر شیشہ — جس احتیاط سے رکھتا ہے شیشہ گر شیشہ
پھپھولے تیرے تغافل سے دل میں ہیں ساقی — علاج کون کریگا مرا مگر شیشہ،

گلگشت کی خبر جب تیری چمن میں پائی — بادِ صبا خوشی سے پھولوں میں نئیں سماتی

چمن میں جا اے صیاد رخصت لیکے مالی سے — ہمارا بھی قفس لٹکا دے چندے گل کی ڈالی سے

دو رنگی دیکھ کر تیری مجھ جب دل میں درد آوے — ہر اک آنسو گلِ رعنا سا میرا سرخ و زرد آوے

اس چمن میں جسے دیکھو اُسے حیرانی ہے — غنچہ کو تنگ دلی گل کو پریشانی ہے
جبہ سائی سے نہ کر منع مرے تئیں مجھ کو — سر ترے پاؤں پہ رکھنا خطِ پیشانی ہے

نجم

میر نجم خاں خطاب تھا۔ نجم تخلص۔ میر محمد امان برہان پوری کے فرزند تھے

موصوف کی ولادت قلعۂ ارک دارالسرور برہان پور میں واقع ہوئی۔
نواب آصف جاہ ثانی کے عہد میں آپ داروغہ بہل خانہ مقرر ہوئے اور
خطاب موروثی سے ممتاز ہوئے۔ بسبب ملازمت عمر کا بیشتر حصہ حیدرآباد
میں بسر کیا۔ تمنا اورنگ آبادی نجم کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

از سادات صحیح النسب است و مردے خوش مشرب و خوب مذہب
در عالم دوستیہا یگانہ و در شمع آشنائی پروانہ۔ در اکثر فنون دستے
دارد از محبان فقیر است و شعرش بہر دل پُر تاثیر:

انتخاب کلام

اب تو ہر بات میں وہ شوخ اٹک جاتا ہے
بیٹھو کہتا ہوں تو دامن کو جھٹک جاتا ہے

شیشۂ دل کو مرے سنگ جفا پر وہ مست
بے تکلف ہو کے لے قد سے پٹک جاتا ہے

یار پہلو میں آسمایا ہے
دیکھو اس وقت کیا سمایا ہے

کبھی کھلتے نہیں ہیں اسکے کاکل ہم بھی سنتے ہیں
ہمیشہ پیچ میں رہتا ہے سنبل ہم بھی سنتے ہیں

جب کہ آنکھوں میں خواب آتا ہے
یار جب بے حجاب آتا ہے

بھوؤں کے چین اور لب کا تبسم   خمارِ عشق کو ہے آب شورہ

مبارک

مبارک خاں نام تھا۔ آصف جاہ اول کی سرکار میں جاگیر و منصب سے سرفراز تھے۔ موصوف کی جاگیر ضلع آشتی (برار) میں تھی۔ جہاں آپ نے متعدد مکانات اور دیگر عمارتیں تعمیر کی تھیں۔ سنہ ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا۔ آشتی ہی میں مدفون ہیں۔ مبارک کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے جاگیر اور مکان تباہ و برباد ہوگئے۔ آپ فارسی زبان میں اشعار موزوں کرتے تھے۔ موصوف کا کلام دستیاب نہ ہوسکا صرف دو شعر نموناً درج ہیں۔

بلبل آساز دہ ام نالہ و فریاد بسے،   ہمچو گل بر تنِ خود جامہ دریدن باقی ست

یا شب تار فراقت زدہ ام پہلوئے   لیک آں صبح وصال تو دمیدن باقی ست

پروانہ

شاہ ضیاء الدین پروانہ دکن کے مشہور صوفی شاعر گذرے ہیں۔ آپ کا مولد و منشا برہان پور ہے۔ عہد طفلی میں اپنے والد کے ہمراہ اورنگ آباد آئے یہیں نشو و نما اور تعلیم حاصل کی۔ شاہ سراج اورنگ آبادی سے

شرف بیعت رکھتے تھے۔ فنِ شاعری میں علامہ آزاد بلگرامی سے استفادہ کیا۔ اپنے مرشد سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ شاہ سراج کی وفات کے بعد اورنگ آباد سے بارادۂ سیر و سیاحت روانہ ہوئے۔ کچھ عرصے تک بیدر میں قیام کیا۔ اس کے بعد احمد نگر میں سکونت اختیار کی۔ شاہ صاحب نے ہندی اور فارسی دونوں زبان میں فکرِ سخن کی ہے۔ رجحانِ طبیعت ہندی اشعار کی طرف زیادہ تھا۔ احباب کی فرمائش پر فارسی اشعار بھی موزوں کرتے تھے۔ مضامینِ حسن و عشق اور رموزِ تصوف کو نہایت مؤثر پیرائے میں نظم کیا ہے۔ پروانہ کا سنِ وفات ۱۱۹۰ھ ہے۔ آپ کا ہندی کلام کسی تذکرے میں نہ مل سکا۔ لہذا فارسی اشعار کا انتخاب درج ذیل ہے۔

کے کند با سرو پا در گل بہ بستانِ خیال | گر کند قمری بآں سروِ خراماں اختلاط
لالہ و سنبل مگر در کوہ و صحرا کرد گل | دست ہر دیوانہ دارد با گریباں اختلاط

خیالِ روئے تو از دل نمی شود زائل | برنگِ آتشِ خارا ست در وطن محفوظ

از جنابِ حق زِ سر تا پا تولّا ئیم ما | بر سرِ غیرِ عدا تیغِ تبرّا ئیم ما
کے شناسد ہر کسی ما چشم پوشِ ہر حباب | در نظر ہا قطرہ ایم و عینِ دریائیم ما

که می فهمد بجز عشاق قدرِ کم نگاهی را — تغافل هائے صیادست دام مرغ و ماهی را
بدستے خنجر و در دستِ دیگر تیغ می آید — خدا حافظ دلِ خود داده ام طفلِ سپاهی را
بمن پروانه در دیر و حرم این حرف میگوید — که در هر شمع دیدم شعلهٔ نورِ الهی را

روزِ عید از دستِ خود فرمود قربانی مرا — خلعتِ بسیار رنگین کرد ارزانی مرا

انحرافے از هوا دارد مزاجِ عندلیب — می توان از غنچهٔ گل کردن علاجِ عندلیب

کیست از صاحب دلان کز گرفتارِ تو نیست — نیست در مصر عزیزے که خریدارِ تو نیست
سینه هم دل بنگارے که وفائے دارد — پاردهٔ آئینه من کز سرکارِ تو نیست
دوش پروانه با شمع خود آرائی گفت — که بجز من سبب گرمیِ بازارِ تو نیست

نه از تراوشِ می دوش شورِ قلقل بود — که خواند شیشه او را و خون دعائے قدح
ز شمع گریه نه پروانه ماند خاکستر — ز آبِ چشم صراحی بخاکِ پائے قدح

ز بندم هم لبِ بوالهوس گر به درم از روئے نادانی — چو شمع کشته از سوز درونم دود برخیزد
ز شوخی بسکه داری در دل می آمد رفتے — غبارے کز تو بر خاطر نشیند زود برخیزد

تا حالِ دلِ خود بدل آرام نویسم — اے اشک دمے باش مشو دشمنِ کاغذ

جز دلِ آگہ خدا را کے توانی یافتن — قبلہ گر میجوئی از قبلہ نما غافل مباش

سوختن در محفلِ مشتاق چون سر کرد شمع — دیدہ را اول ز اشکِ آتشین تر کرد شمع

جان داد در رہش دلِ امیدوار حیف — آن طفل نے سوار نیامد ہزار حیف
یک روز ہم نکرد گذر آن سیاہ چشم — چشم سفید شد بہ رہِ انتظار حیف

ریخت ہر شب شور را در دیدۂ لیلیٰ نمک — کرد پیدا در جہان یا رب جنونِ ما نمک

در ہیچ گاہ بار بیک جو نمی خرند ما — آرد اگر چہ یوسفِ مصری ہزار دل

بیادِ سروِ دلجوئے قیامت نالہا کردم — چو قمری مشتِ خاکِ خویش را اندر ہوا کردم
بگوشِ گل بیانِ ہجرِ درد آلودِ مشتاقی — بہ شبنم عرضِ احوالِ خود اے بادِ صبا کردم

نقشِ تصویریم سراپا انتظارِ کیستم — کیست داند تا مرا جز خود دو چارِ کیستم

ہمیں کہ فالِ شہادت گذشت بدلِ من　　رسید خنجرِ عریاں بدستِ قاتلِ من

عشق بازاں دیدہ ہا سازند پا اندازِ او　　رخصتِ تشریف فرمودن دہد گر نازِ او

بہ آوازِ حزیں در کوئے او بشگفت مایوسے　　زخم بر سنگ ستر تا خندہ مالم دستِ افسوسے

امداد

غلام حسین نام تھا۔ امداد تخلص۔ برہان پور میں پیدا ہوئے۔
سن شعور کے بعد علمائے کرام سے تعلیم و تربیت پائی۔ بعد ازاں اورنگ آباد
میں آکر سکونت اختیار کی۔ ابتدائے تعلیم سے شعر و سخن کا ذوق تھا۔ حضرت
آزاد بلگرامی کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ جب تک اورنگ آباد میں قیام تھا نواب
ناصر جنگ شہید کی ملازمت سے سرفراز رہے۔ علاوہ ازیں امراء کے بچوں
کو تعلیم و تربیت دیتے تھے۔ شہر کے اکثر امراء آپ کے کفیل تھے۔ نہایت
فراغت سے زندگی بسر کی۔ صوفیانہ مشرب تھا۔ اکثر اوقات صوفیائے کرام
اور اہل اللہ کی مصاحبت میں گذارتے تھے۔ آخر عمر میں اورنگ آباد
سے وطنِ مالوف برہان پور آگئے تھے۔ سنہ ۱۱۹۲ھ میں فوت ہوئے۔ فارسی
اشعار موزوں کرتے تھے۔ انتخابِ کلام۔

ز تو پنہاں مکند آئینہ روئے خویش را ہر کسے منظور دارد آبروئے خویش را

سرگرمِ الفتِ من و اغیار بودۂ اے جانِ عاشقی تو چہ عیار بودۂ

بر دامنِ دلم نہ غبارِ تعصب است چوں ساغرِ بلور مرا صاف مشرب است

گر بصحرا نگہِ او چمن آرا گردد شاخِ آہو قلمِ نرگسِ شہلا گردد
صندلی رنگ حبتے گر سرِ درماں دارد دردِ ہم گردِ سرِ ما بتمنا گردد

دل زدستم رفت و من ہم رفتم اے قاتل بیا گر برائے من نمی آئی برائے دل بیا

سیرِ کتابِ عبرت ازیں باغ می کنم از داغِ دل چو لالہ ورق داغ می کنم

ظاہر شود او ہمہ رنگِ شکستِ ما در صورتے کہ آئینہ گیرد ز دستِ ما
مادائی قلمرو مضمون تازہ ایم در گل زمیں صفحہ بود بند و بستِ ما

ہر از شخص درین شیشہ خانۂ امکاں بوحدتِ تو نمود نہ صورتِ مجلس

در حدیث تو پیر مغاں کہنہ بند گیست عمرے بطلّ عاطفت تاک ماندہ ایم

بہ داغ ہجر تو اے وائے سوختند مرا بدرہمے کہ نباید فروختند مرا
چہ ساں کنم مژہ را والہوئے روئے بتاں نگہ چو جوہر آئینہ دوختند مرا

آنہا کہ زلفِ یار مکرّر نوشتہ اند ہر سطرِ ایں مسوّدہ ابتر نوشتہ اند
اندآ و مردمے کہ پدر داند آشنا مضمونِ اشک از ہمہ بہتر نوشتہ اند

تابع

نام اسد اللہ۔ تخلص تابع۔ آپ کے بزرگ سندھ کے باشندے تھے برہان پور آکر سکونت اختیار کی تھی۔ تابع عرصۂ دراز تک یہاں مقیم رہنے بعد میں سورت چلے گئے۔ اور وہاں کے متصدی علی نواز خاں کی صحبت میں رہے۔ سورت ہی میں انتقال ہوا۔ سنِ وفات ۱۱۹۵ھ ہے کبھی کبھی اشعار موزوں کرتے تھے۔ آپ کے طبع زاد دو شعر دستیاب ہوئے ہیں۔

ناہ سفرِ وصلِ تو تا سر شود اے دوست پیش از قدمم در رہِ شوقت سرم افتاد
اے دل تو بپرواز برمن یک دو قدم پیش راہے بسر کوچۂ آں دلبرم افتاد

وفاؔ

آقا محمد امین وفاؔ برار کے شعرائے متقدمین میں مشہور عالم اور صوفی شاعر تھے۔ آپ کے والد حکیم محمد تقی خاں عالمگیر بادشاہ کے زمانے میں اصفہان سے ہندوستان آئے اور نواب آصف جاہ اول کی ملازمت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اپنی خدمات اور حسنِ تدبیر سے نواب مذکور کے دل میں خاص جگہ حاصل کرلی۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد منصب دو ہزاری پر سرفراز و ممتاز ہوئے۔ وفاؔ کی ولادت سنہ ۱۱۱۱ھ میں بمقام بلدۂ ایلچ پور (برار) واقع ہوئی۔ اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی۔ کتب درسیہ کی تعلیم حضرت ملا شیخ محمد مازندرانی سے حاصل کی اور فنِ شاعری میں مولانا غلام مصطفیٰ صاحب انسانؔ مراد آبادی سے استفادہ حاصل کیا۔ فنِ شعر و سخن کے علاوہ علمِ حدیث و فقہ میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد آپ نے منصب و جاگیر کی خواہش نہیں کی۔ توکل اور قناعت اختیار کرکے گوشہ نشین ہوگئے۔ جو کچھ یومیہ حکام سے ملتا تھا اس کو غنیمت سمجھا زائد کے طالب نہ ہوئے۔ صوفی مذہب اور فقیر مشرب تھے۔ مزاج میں حد درجہ تواضع اور انکسار تھا۔ سنہ ۱۱۸۱ھ میں ناظمِ اورنگ آباد نواب معین الدولہ کی طلبی پر اورنگ آباد آگئے

اور ایک سال تک قیام کیا۔ مولانا آزاد بلگرامی سے خاص مراسم تھے۔
وقت کا بیشتر حصہ موصوف کی مصاحبت میں گذارا ۱۱۹۵ھ میں وطنِ ثانی
ایلچ پور پہونچے ۱۱۹۳ھ میں وفات پائی۔ وفاؔ مہارتِ علم و فن کو ان کے
معاصرین نے تسلیم کیا ہے۔ آپ کا کلام بلندیٔ تخیل ندرتِ مضامین حسنِ بندش
اور جدتِ تشبیہ کے اعتبار سے قابلِ قدر ہے۔ موصوف نے فارسی کے علاوہ
اُردو زبان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ بلدۂ ایلچ پور میں شاہ عبد الرحمٰن
دولہ شہید کے مزار اقدس پر جو ۱۲ ربیع الاول کو سالانہ عرس ہوتا ہے
اُس تقریب میں روشنی کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ مزار ندی کے آثار
بلندی پر واقع ہے۔ چراغوں کا عکس بہتے ہوئے پانی میں جو دل کش منظر
پیش کرتا ہے۔ مؤلف خود اس نظارے سے لطف اندوز ہوا ہے۔ اسی
کیفیت کو وفاؔ نے چند اشعار میں نظم کیا ہے۔ ناظرین ملاحظہ کریں اور
موصوف کی منظر نگاری کی داد دیں۔

تعالیٰ اللہ کہ از جوشِ چراغاں — زمیں تا آسماں باشد گل افشاں
چہ شد گر خورِ مغرب در نہفتہ است — گلِ خورشید ہر جانب شگفتہ است
شعاعے ہر چراغے ہست چنداں — کہ چوں پروانہ گردد دل پر افشاں
زسیرِ ایں چراغانِ پر افسوں — شود پیرایۂ نظارہ گلگوں
بہ بیں عکسِ چراغاں در نمِ آب — بہارِ آتشی در عالمِ آب

صفا از بس گرفت آفاق یکسر — خندد از ہر نگہ آئینہ در بر
تماشا محوِ انداز سرور است — کہ این جا شش جہت لبریز نور است
غمیر از چراغاں باشد از برق — کہ روشن می کند از غرب تا شرق
شد از جوشِ ضیا نزدیک تا دور — بلند از ہر طرف فوارۂ نور
نگہ بحرِ خود آمد در تلاطم — کہ شد نظارہ ہا را دست و پا گم
ازیں سیرِ بہارِ عالم آرا — کہ ہست از قدرتِ حق معنیٔ اشیا
بود گر بہرہ ات آگاہ بودن — چراغِ دل تواں روشن نمودن
ہمیں گر دولت شمعِ شعور است — چراغِ دیدہ را روغن ز نور است

بہر حال اندک از ظاہر سفر کن
ز دل در معنیٔ ہر شے نظر کن

کلامِ فارسی

بادۂ عشرت دہد جامِ لبِ جانانہ ام — گل کند چوں غنچہ موجِ خندہ زیں پیمانہ ام
کان یاقوتم ز دل و ز دیدہ ام گوہر نثار — بحر و بر دارد آستیں دارد جواہر خانہ ام
با اثر رسمِ حنیفی پرداز دارد اشکِ من — خاک را گردیدہ میگردد ہوائے دانہ ام
دامنِ دشتِ جنوں از کف رہ دادن عاقلی نیست — گر کشیم از گوشہ زنجیرِ پا دیوانہ ام
بر چراغِ رسمِ ظاہر ہمتم دامن فشاند — روشن از دل کردِ شمعِ سوختن پروانہ ام
مست کیفیت پذیرد گردشِ چشمِ تو دل — نے سبو نے شیشہ بخشد نشہ نے پیمانہ ام

کیست تعمیرم نماید بهر عشق پاکباز — تا فلک پیچیده است بنا هموارئ ویرانه ام

داشت در پرده دفتر بال و پر از تعلیم شمع — گرد شب روشن سواد سوختن پروانه ام

گر بود مخفی ز ناقص فطرتان قدرم بجاست — پیش ارباب جهل آشنایان معنی بیگانه ام

میکند غواص بحر معنی روشن گهر — از سخن معلوم استعداد استادانه ام

خواب شیرینم نمک ریز است چشم اشک شور — از خموشی گر نگوئی خود رسد افسانه ام

رنگ پابوس وفا آسان نمی آید بدست — چون حنا عمریست با خون جگر همخانه ام

سیه کاری نماید سنگ دل را عز و شان پیدا — نگین را روسیاهی گرد از نام نشان پیدا

نشانی زان کمر دقت شناسان را نشد حاصل — ز تصویر عدم کردند حرفی در میان پیدا

در دو عالم نعمت دیدار محو عشق راست — بر سر خوان کرم پیوسته دل مهمان کیست

قرب هر جانست با جانان چو ربط تن بروان — زین معیت نیک آگاهی نصیب جان کیست

خامشی بر گر ندارد مستمع فهم درست — در تکلم غیر تحسین بر وفا احسان کیست

نگه در چشم خاکی سند راه سیر روحانی — بگرد خار برنگ نکهت گل زیر پیرهن رفتند

شبی روشن دلان جا گرم اگر کردند از صحبت — سحر از سر دهر پا چو شمع انجمن رفتند

شبے بخاطر گلشن گذشت فرگابنت — زند زخون رگ گل بہار جوش ہنوز
لبے مگر از غنچہ لبیت واشد — صدائے خندہ گل میرسد بگوش ہنوز
بیا کہ بے مئے وصل تو چوں سبوئی تہی — نگہ بدیدہ من ہست بار دوش ہنوز

اُردو اشعار

عجب نہیں تجھ طرف اے دلربا عاشق کو بھیری میں — دل و جان و چشم و گوش سب تیرے ہیں
اُگے گا سبزۂ خط آبداری سیں ترے رخ کی — زمین حسن میں جو دانہ ہائے خال بیرے ہیں
دِسے جوں آشیاں ہر حلقۂ جعد معنبر تو — وہ اک زلف میں کئی طائر دل کے بسیرے ہیں

دو جہاں کو ترک کر اک دلربا کے واسطے — اب خودی سیں باز آلے دل خدا کیوا سطے
کھیرسے جاسے کے موں میں بند گھیرے میں پھنسا — دل کی گھنڈی بن کے میں تری قبا کیواسطے
لے گئے بالا چہرے پہ تیرے عاشق کے دل — بیچ میں ہم کو لپیٹا کس خطا کے واسطے
سرخروئی ہو تجھے تا دستگیری ہیں تری — خوں مرا پامال کر رنگ حنا کے واسطے
محضر دل خاکساری سے قبول مہر وصل — خاک رہ میں ہو رہا کس نقش پا کیواسطے
خال خط نے پی کے تجھ دل سے نکالا ہی دھواں — تخم ریحاں کا کرو شربت دوا کیواسطے
مت لگا خوبی کو اپنی بے وفائی کا کلنگ — مت وفا سے ترک کر الفت خدا کیواسطے

ممتاز

بہادر خاں نام ممتاز تخلص۔ مولد و منشا برہان پور۔ آپ کا سلسلۂ نسب یوسف خاں کشمیری سے ملتا ہے۔ شعر گوئی و سخن فہمی میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ نواب آصف جاہ ثانی کی خدمت میں جاگیر و منصب حاصل تھا۔ کچھ مدت نواب معین الدولہ ناظم اورنگ آباد کے جلیس و مصاحب رہے۔ علامہ آزاد بلگرامی کے معاصر تھے۔ ۱۱۹۶ھ میں فوت ہوئے

نمونۂ کلام

چوں کماں از صید ما را حاصلے منظور نیست
از برائے دیگراں ست انچہ می کوشیم ما

دل بہ بیدادِ فلک خود دادہ ایم
از ازل ایں دانہ آسیا ست

جنونِ طرفہ دارم بیادِ گردشِ چشمے
نگیرد جا بہ آبادی نگنجد در بیابانے

حرصِ جمعِ مالِ دنیا رہبرِ راہِ فنا ست
خویش را از بہرِ زر بے مرحمت قاروں مکن
جزو لائے شیرِ حق ممتاز در دل جا مدہ
بلئے گوہر سودہ الماس در خوں مکن

متین

میر مہدی نام، متینؔ تخلص۔ برہان پوری تھے۔ آپ کے والد محمد امین بھی شاعرِ کامل تھے اور مرزا بیدلؔ سے تلمذ رکھتے تھے۔ متینؔ کی تعلیم و تربیت اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں تکمیل کو پہنچی۔ ابتدائے عمر سے شعر گوئی کا ذوق تھا۔ جب شاہ سراج اورنگ آبادی برہان پور آئے تو متینؔ ان کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ شاہ صاحب کے ہمراہ اورنگ آباد آکر سکونت اختیار کی۔ مدّتِ دراز تک اُستاد سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں وطنِ مالوف برہان پور آئے۔ ۱۱۹۷ھ میں عالمِ جاودانی کو سدھارے۔

نمونۂ کلام

اس بسنتی پوش قاتل پر چھڑک لوہو کا رنگ
عاشقو لازم ہے اب جگ کو ہی کا سروا کیجے

عرس کو مجنوں کے ہرنوں نے کیا ہے اتفاق
وحشیو لازم ہے تم بھی اپنے ساماں سے چلو

جان جاتا ہے مرا افسوس کوئی کہتا نہیں
آنسوؤں بیٹھے ہو کیا آنکھوں کے ایواں سے چلو

گل بشاخ پر ہوا سے ہلتے نہیں چمن میں
گلرو کے غم بسمل سب تلملا رہے ہیں

میرؔ

سید شاہ میر نام، تخلص میرؔ۔ برہان پور کے صوفی شاعر تھے۔ آپ نے اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی تھی۔ موصوف کا کلام عرفان و تصوف کے مضامین سے معمور تھا۔ فنِ موسیقی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور سرود و نغمہ سے خوب واقف تھے ۱۱۷۵ھ میں فنِ موسیقی میں ایک کتاب "دُھرپت بچار" تصنیف کی جس میں اس علم کی تفصیل اور مطالب بیان کیے ہیں۔ میر صاحب کی رحلت ۱۱۹۷ھ میں واقع ہوئی۔ افسوس آپ کا کلام دستیاب نہ ہوا بعض تذکروں میں دو تین شعر سے زیادہ نہیں ملے

نمونۂ کلام

درخت انبہ پر کوئل پکاری — میں یوں جانا کہ پیو نے بانگ ماری

مشکل محراب ہیں بھنواں پی کے — سرنگوں ہوا ہے دل دوگانہ کر

پن گھٹ پہ چل کے دیکھو بہارِ ہجومِ حسن — چنچل چلی ہے مکھ کھلے سر پر گھڑا اُٹھا

شوریدہ

نام شیخ سلطان الدین تخلص شوریدہ۔ مولد ومنشاء برہان پور۔ مشہور تذکرہ نگار شفیق اورنگ آبادی کے معاصر تھے۔ آپ کو فنِ خوشنویسی میں خاص ملکہ تھا۔ خطِ نستعلیق نہایت عمدہ لکھتے تھے۔ آغازِ شاعری میں سلطان تخلص کرتے تھے۔ اس کے بعد شہیر قرار دیا۔ آخر مؤلف چمنستانِ شعراء شفیق اورنگ آبادی کے مشورے سے شوریدہ تخلص اختیار کیا۔ عمر کا بیشتر حصّہ درس وتدریس اور قومی ہمدردی میں بسر کیا۔ احادیث اور قرآنِ مجید تحریر کرکے مساجد اور خانقاہوں میں وقف کردیئے تھے۔ آپ حُسنِ اخلاق مروت واخلاص اور مہمان نوازی میں مشہور انام تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ہاں ایک مہمان آیا۔ شیخ صاحب نے مہمانداری کا اہتمام کیا۔ ایک رات مہمان بعد نمازِ مغرب بغیر اطلاع کئے کسی دوست سے ملنے گیا۔ دوست نے خاطر مدارات کی اور باصرار روک لیا۔ مہمان نے تمام رات وہیں بسر کی۔ شوریدہ دسترخوان بچھا کر مہمان کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ آپ کے اہل وعیال بھی بھوکے پیاسے سوگئے۔ رات گزرگئی مہمان صبح آیا تو شوریدہ نے خندہ پیشانی سے فرمایا۔ آپ رات کہاں تھے ہم سب

آپ کے انتظار میں دسترخوان بچھائے رہے۔ مہمان نادم ہو کر شیخ صاحب کے قدموں پہ گر پڑا اور معافی طلب کی۔ آپ مسکرائے اور اخلاقاً فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ افسوس ایسے صاحبِ اخلاق اس دور میں شاذ و نادر ہی ہوں گے۔ شوریدہ نے ۱۱۹۵ھ میں داعئِ اجل کو لبیک کہا۔ شاعرِ خوش فکر تھے۔ چند شعر نمونتاً درج ہیں۔

یکرنگ میں کئی رنگ بناتا ہے رنگیلا ہر طرح میں کئی طرح دکھاتا ہے رنگیلا

تجھ زلف کو دیکھے ستی سنبل کو گیا بھول میں خود ستی بیخود ہوا بس دل کو گیا بھول

رنگیں ادا سے جب تو گیا باغ میں سجن ہر نقشِ پا زمیں پہ بنے گل کے دستے تھے

چشمِ دریا سے کیوں نہ ہو طوفاں اشکِ باراں ہنوز جاری ہے

عاشق

نام مرزا عاشور بیگ۔ برہان پور کے باشندے تھے۔ ۱۱۷۵ھ میں اورنگ آباد گئے۔ اُس وقت عالمِ شباب تھا۔ طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل تھی۔ شاہ سامی اورنگ آبادی کے شاگرد ہو گئے۔ شاہ

صاحب کی توجہ سے قلیل عرصے میں کافی مہارت حاصل کی۔ اکثر زبانِ اردو میں اشعار موزوں کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۰۰ھ میں فوت ہوئے

نمونۂ کلام

چشمِ بیمارِ بتاں گلشن میں دیکھ — نرگسِ حیران کو یرقان ہے
عشق کے کشور کا جو سلطان ہے — ہر دم اس پہ مہر و مہ قربان ہے

جو مست جام شیشہ و صہبائے مست ہے
برجاسے اس کو ہووے اگر یہ خمار سبز

منصور

میر منصور نام تھا۔ آپ کے بزرگ آسیر گڈھ کی قلعہ داری پر مامور تھے۔ آپ بھی چند مدت اسی آبائی خدمت پر بحال رہے۔ بعد ازاں ترک ملازمت کر کے خلوت نشینی اختیار کی۔ صوفی مشرب اور فقیر منش تھے۔ عمر کا بیشتر حصہ برہان پور میں گزارا۔ صوفیائے کرام اور مشائخ کے فیضِ صحبت سے درویشِ کامل کے درجے تک پہنچے۔ توکل و قناعت پر زندگی بسر کی۔ کسی امیر سے طالبِ امداد نہ ہوئے سنہ ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ آپ کا کلام احتیاط نہ ہونے سے تلف

دو شعر ملاحظہ ہوں۔

ہم نے جانے تھے کہ دلدار ہمارا ہوئیگا — یہ نہ سمجھے تھے کہ جاگیر کا پیارا ہوئیگا

رمز کرتے ہیں رقیباں مجھے معلوم ہوا — اُن کی قدرت نہیں دلبر کا اشارہ ہوئیگا

منعم

محمد منعم نام۔ برہان پور کے باشندے تھے۔ علم موسیقی میں اچھی مہارت تھی۔ اس کے علاوہ ہفت قلم کے خوشنویس تھے۔ خصوصاً خطِ نستعلیق میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ نظام الدولہ ناصر جنگ شہید کے زمانے میں برہان پور سے اورنگ آباد گئے۔ اور دارالانشاء میں مقرر ہوئے۔ نواب مذکور کی وفات کے بعد آصف جاہ ثانی کے عہد تک خانہ نشین رہے۔ اس کے بعد پھر منصب داری پر مامور ہوئے آرام و راحت اور آسودہ حالی کی زندگی بسر کی۔ شفیق اورنگ آبادی کے خاص احباب میں تھے۔ سنہ ۱۲۱۰ھ میں وفات پائی۔

نمونۂ کلام

تجھ حسن کے ہیں قربان یوسف جمال والے — مہتاب گال والے ابرو ہلال والے

گردش سے تجھ نین کے ساتوں فلک ہیں حیراں — خورشید ڈھال والے جاہ و جلال والے

مُراد

میر منور نام تھا۔ بُرہان پور میں ولادت پائی۔ آپ کے والد محمد فخرالدین صاحب نصیر آباد (خاندیس) کے قاضی تھے۔ مُراد نے تعلیم و تربیت کے بعد شعر گوئی شروع کی۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد نواب نجف علی خاں کی خدمت میں پہنچے۔ نواب موصوف اس وقت بُرہان پور میں تھے۔ اور مُراد کے والد کو جانتے تھے۔ مُراد کو اپنی مصاحبت میں رکھا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ سنہ ۱۲۰۹ھ میں عالمِ فانی سے رحلت کی۔ زبانِ اُردو میں طبع آزمائی کرتے تھے۔

نمونۂ کلام

اپنا دامن شکلِ غنچوں سیتی افشاں کیجئے — بیٹھئے صحرا میں اور سیرِ گلستاں کیجئے،

خوب نہیں دیوانگی میں شہرت کا بود و باش — مصلحت یوں ہے کہ اب مسکن بیاباں کیجئے

کیجئے پیدا اگر رتبہ نسیمِ صبح کا، — بے تکلف سیرِ باغِ کوئے جاناں کیجئے

آخرش مُلکِ عدم کو یاں سے جانا ہے ضرور

بیٹھئے بے فکر کیا چلنے کا ساماں کیجئے،

دولت

میر دولت علی نام مظفر علی شاہ خطاب۔ دولت تخلص۔ موصوف کی ولادت قلعۂ آسیر گڈھ میں واقع ہوئی۔ آپ ۱۱۶۰ھ میں اورنگ آباد گئے۔ مدت دراز تک قیام کیا۔ اور وہاں کے شعراء و علماء سے استفادہ کرتے رہے۔ مشہور تذکرہ نگار اور شاعر شفیق اورنگ آبادی سے دوستانہ ربط و اتحاد تھا۔ اکثر شفیق کے مکان پر آمد و رفت رکھتے تھے۔ اشعار ریختہ میں شفیق کا اتباع کیا ہے۔ آخر عمر میں وطن مالوف برہان پور آ گئے تھے۔ ۱۲۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کے اشعار صاف اور سلیس ہوتے تھے۔

انتخاب کلام

ہر آن گریہ کرنا ہر دم ہیں آہیں بھرنا — گر صبح ہے تو یہ ہے اور شام ہے تو یہ ہے

یارو قسم ہے تم کو کہیں جستجو کرو — قاتل مرے کو مجھ سے ذرا دو بدو کرو

چاہو نماز حضرتِ گل کی کرو ادا — اے بلبلو تم اشک سے پہلے وضو کرو

اس چشمِ مے پرست کا مارا گیا ہے جو — لازم ہے اس کی خاک سے خم یا سبو کرو

ہم کو ہمارے یار کے جلوے سے کام ہے — اے زاہدو بہشت کی تم آرزو کرو

مجلس سے نہ جا پیارے تجھ رنگ کی تجلی سے — ہوئیں گی شمع پانی جل جائے گا پروانہ
اسلام سے نہیں مطلب اور کفر سے نہیں مطلب — منظور مرے دل کو ہے جلوۂ جانانہ۔

لب و رخسار اور قد و قامت — دیکھ سب غنچے مسکراتے ہیں،

سوتا تھا مست ناز اُسی کو جگا دیا — کیا عالم بہار خدا نے دکھا دیا

خوف ہے مجھ کو مبادا کہ دیوانی ہووے — صورت اس کی نہ زلیخا کو دکھانا ہمدم
جائے نامے کے میں اس یار کے تئیں بھیجوںگا — کھینچ تصویر کو دولت کی لے آنا ہمدم

اس غم کی کشمکش میں روتے ہی عمر گذری — کیا یاد میں کروں گا خوبی سے اس جہاں کو

ہمدم

شاہ محمد تقی ہمدم تخلص۔ برہان پور کے صوفی شاعر تھے۔ اسی شہر میں ولادت ہوئی۔ شاہ صاحب مشہور مورخ مرزا محمد خافی خاں کے نواسے ہیں۔ آپ کے جدِ امجد نواب آصف جاہ اول کے عہد میں عہدۂ دیوانی پر فائز تھے۔ علم و فضل وراثتاً اپنے بزرگوں سے پایا تھا

۲۲ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر حیدر آباد گئے۔ طبیعت فقر و درویشی کی طرف مائل تھی۔ لہٰذا شمس الدین محمد الحسینیؒ کی بیعت اور خلعتِ فقر سے مشرف ہوئے۔ شاہ صاحب نے ممدوح کی نیک کرداری اور حسنِ اخلاق سے متأثر ہو کر شرف دامادی سے بھی سرفراز فرمایا۔
کچھ عرصے تک حیدر آباد میں مقیم رہے۔ بعد ازاں اپنے خسر سے زیارتِ حرمین کی اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ چار سال کے بعد واپس ہوئے اور باقی عمر اپنے مرشد کی خدمت میں بسر کی۔ ۱۲۱۵ھ میں انتقال فرمایا۔
ممدوح فنِ شعر گوئی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ کچھ مدت تک حیدر آباد کے مشہور شاعر سید محمد واَلہ سے اصلاح سخن لی تھی۔ موصوف فارسی اور اردو میں فکر سخن کرتے تھے۔ انتخابِ کلام

اشعار

نامہ لکھا ہوں شوق سے تجھ کو با شکِ وآہ دنیا بہا جلا نہ کسی حال کھولنا

انتظاری میں لب پہ آیا جی، راہ تیری میں یاں تلک دیکھا

گر کرے گا قتل مجھ کو تجھ گریباں میں مرا قطرۂ خوں تکمۂ لعلِ قبا ہو جائے گا

تو ہم سے وفا سیکھ جفا دل کو سکھایا　　شاگرد کسی کا ہوا اُستاد کسی کا

ابرو کی تیرے مغربی تلوار دیکھنا　　چو رنگ ہوگی کس کی دو رخ وار دیکھنا

تیرے ابرو کے آگے مغربی کی بیت پڑھتا ہوں　　شہیدِ تیغ ابرو ہونگا تلواروں سے کیا مطلب
خبر لا نیکو دل کی آہ کے قاصد بھیجوں میں　　تری رو میں ہے ڈاک آنسو کی ہرکارہ سے کیا نسبت مطلب

ہووے گا کیا صباح نہ تھا کل تو یہ ستم　　نکلا ہے جگ میں ظلم کا تم سے رواج آج

من کا سبحہ پھیرتا ہے نہیں فقط دانوں کی بیچ ،　　رشتۂ جاں یکساں ہی پھرتا ہے سو فانوں کی بیچ
گردش دوراں میں نکلاں ہیں بد نسبے دل لگا　　آہنی برمے سے چھید ہوتے ہیں دردانوں کی بیچ

خط آنے سے ملول ہیں عشاق میں ہوں شاد　　ہے چشم خوشنویسیں میں ہمدم وقار خط

کیوں نہ کیفیت کی ہووے بزم میں اب روشنی　　چشم میں ساقی کی روشن ہے عجب مُل کا چراغ
آج کی شب گلرخوں کی بزم ہے ہمدم کے گھر　　ہے بجا گر وہ جلاوے روغنِ گل کا چراغ

منزلِ عشق کو میں سر سے چلا جاتا ہوں
چال اس راہ کی آنکھوں سے بتا جاتا ہوں

زلفوں میں ماہ رو کا تصور اگر نہ ہو
کیونکر کٹیں فراق کی راتیں یہ کالیاں

ضیاء

مرزا عطا نام ضیاء تخلص۔ دورِ قدیم کے دکنی شعراء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ موصوف گروہِ برلاس سے تھے سلسلۂ نسب میر برہان اللہ سے ملتا ہے۔ جو ساداتِ حسینی سے تھے۔ ضیاء کا مولد و منشاء قصبۂ بودڑ[1] (خاندیس) ہے۔ تاریخ ولادت ہفتم شوال ۱۱۴۲ھ ہے۔ جب سنِ شعور کو پہنچے تو بودڑ سے برہان پور آکر مستقل سکونت اختیار کی۔ اور یہیں کے اساتذہ سے کتبِ عربی اور فارسی کی تکمیل کی شعر و سخن فطری رجحان تھا جس وقت شاہ سراج اورنگ آبادی برہان پور تشریف لائے تو ضیاء شاہ صاحب کے شاگرد ہو گئے۔ عرصے تک اشعارِ ریختہ میں اصلاح لی۔ بعد ازاں اورنگ آباد آکر حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی سے بھی فنِ شعر میں استفادہ کیا۔ اپنا فارسی کلام علامۂ موصوف کو دکھاتے۔ دونوں اساتذہ کے فیضِ

[1] برہان پور سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر سرحدِ برار کے قریب واقع ہے ۱۲

سے بہت جلد فنِ شاعری میں مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ ضیاء کا فارسی کلام رفعتِ تخیل، حسنِ تشبیہ، ندرتِ بیان، نازک استعارات اور لطیف کنایات کا حامل ہے۔ اسی طرح اُردو اشعار بھی جملہ محاسنِ نظم سے آراستہ ہیں۔ اکثر مسلسل غزلیں اور قطعہ بند اشعار لکھے ہیں۔ بعض غزلیات میں سوال جواب اور مکالمہ نظم کیا ہے۔ کہیں کہیں مرزا رفیع سودا کا رنگ جھلکتا ہے۔ زبان میر تقی دہلوی کی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ بعض مقامات پر وہی سوز و گداز اور درد و اثر پایا جاتا ہے جو میر صاحب کے اشعار سے مخصوص ہے۔ ضیاء فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فنا دیوان تھے۔ عمر کا بیشتر حصہ اورنگ آباد میں گذرا۔ نواب حامد یار خاں سالار جنگ وکیلِ مطلق آصف جاہِ ثانی کی ملازمت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ۱۱۸۱ھ میں وطنِ مالوف برہان پور آئے۔ عزیز و اقارب سے ملاقات کی۔ باقی عمر درس و تدریس اور فکرِ سخن میں بسر کی۔ ضیاء کا سنِ وفات کسی تذکرہ میں نہیں ملتا۔ مؤلف شعرائے دکن ۱۱۵۳ھ لکھتے ہیں مگر موصوف کو مغالطہ ہوا ہے۔ چونکہ تذکرۂ گلِ عجائب کی تحریر سے اس امر کی تردید ہوتی ہے۔ کتاب مذکور ۱۱۹۲ھ میں مرتب ہوئی۔ اُس وقت ضیاء کی عمر چالیس سال تھی۔ نیز مؤلفِ تذکرۂ تمنّا اورنگ آبادی ضیاء کے خواجہ تاش تھے۔ اور دوستانہ ربط و اتحاد رکھتے تھے۔

ضیاء کو حضرتِ آزاد بلگرامی سے خاص عقیدت تھی۔ ضیاء نے ایک طویل مثنوی اپنے محترم اور فاضل اوستاد کی تعریف میں لکھی ہے جس میں موصوف کے علم و فضل اور کمالِ فن کا اعتراف کیا ہے۔ مثنوی کا مختصر اقتباس درج ہے۔

حضرتِ آزاد کہ اُستادِ ماست — قبلہ جان و دل منقادِ ماست

بادۂ عرفاں زدہ ہشیار ہست — بعد نبی ہر چہ کہ گوئیم ہست

ہست سیادت چمنِ بے خزاں — او بود الحق گلِ ایں گلستاں

نامش اگر ہست غلام علی — اوست شہِ ملکِ خفی و جلی

مطلعِ آں مہر بود بلگرام، — پرتوِ او باد چراغِ دوام

مشتہرِ خلق بأستاد ہست — نام زدِ رتبۂ آزاد ہست

در رہِ علم آمدہ او را دلیل — تربیتِ حضرتِ عبد الجلیل

گر بشماریم اگلیمش رواست — مرتبہ اش را بہ بینا گواست

واقفِ اسرارِ زباں دانی است — انوری و صائب و خاقانی است

شعرِ ترش کلفتِ دل را دواست — ہست سخن نامی راحت فزاست

نیست رقم کردۂ آں مقتدا، — چوں خطِ تقدیر بحک آشنا،

ہر کہ ازو درس بلاغت نخواند — بے خبر از عالمِ تحقیق ماند،

ہر کہ بجالش نظرِ او شود — بہ ز فلاطوں و ارسطو شود

مرتبہ اش فوق تراز شاعری | بہرِ تفنّن بود ایں ساحری
ہست بمجموعۂ علم و عمل | حضرت آزاد امیرِ اجل
صرفِ ریاضت بود اوقاتِ او | موعظۂ محض حکایاتِ او،
بہرِ حصولِ غرضِ خاص و عام | ہست زبانش متحرک مدام
ہمتِ عالیش سحاب ست و بس | رشحہ فشاں بر گل و برخار و خس
فیض رسانی عملِ خاصِ او | جملہ جہاں بندۂ اخلاصِ او
بسکہ بامداد کمر بستہ است | خانۂ او مامنِ ہر خستہ است
علم و عمل خادمِ دربارِ او، | فیض و کرم بندۂ سرکارِ او
بے ادبی را بدرش بار نیست | محفلش آمادہ اغیار نیست
مرحمتش مرہمِ ہر ریش باد | لیک براحوالِ ضیا بیش باد

انتخاب اشعارِ فارسی

بمسلخے کہ ادب خونِ مدعا ریزد | طپش گناہ بود جسمِ صیدِ بسمل را

دلم بہ بزمِ بتاں وا نمی شود بے او | چو غنچۂ کہ بود درمیانۂ گلہا

برمی خیزم اگر از کوئے تو انصاف کن | کز درِ تو زندہ رفتن عار می آید مرا

صحبتِ ناجنس گو عالی بود دارد زیاں — پرتوِ خورشید سازد مضرت آبِ رواں

مرا بقتل رسانید و ریخت بر من اشک — کہ مشت آب ضرورست مرغ بسمل را

چہ بگویم کہ منشین یک زماں بے گفتہ می خیزد — کہ امروز اندکے طبعم علیل و تب نمود است

خدا نخواستہ باشد شکستِ شیشۂ دل — شنیدہ ایم صدائے کہ ہیچ نتواں گفت

بے کسبِ صفا جا بدرِ حق نتواں یافت — مردودِ نماز است کسے را کہ وضو نیست

ز زلفِ او دل پرداغِ ما نمی ترسد — کہ مار طعمۂ خاص از برائے طاؤس است

گفتمش بخت مرا چند تباہی باقیست — زلف بنمود کہ بسیار سیاہی باقی است

نمی دانی کہ اشکِ من چہ چیز است — مرا ایں طفل فرزندِ عزیز است

چہ غنچہ کہ پس برگہا شگفتہ شود — تبسّمش بہ پناہِ حجاب می آید

نمی خواہم کہ حرفے یا قصورے در گمان افتد	الٰہی آں بتِ بیگانہ پرور آشنا گردد
گفت روزے از غضب با من میا بار دگر	گفتم ایں از من نخواہد شد بگو کارِ دگر
بیں نگاہ گریہ آلودم ز اندازش مپرس	مرغ چوں در آب تر گردد ز پروازش مپرس
آئینہ چہ باشد کہ شود بارِ نگاہش	کز شرم رگِ چشم بود تارِ نگاہش
حکایتے ست کہ گفتم ز جورِ سیم براں	تو پُر غضب شوی از من ترا نمی گویم
دلت کجا ست کہ ہر وقت نام من پرسی	ہزار مرتبہ گفتم کہ من غلامِ تو ام
نگذاشت ادب تا ز نگہ آہ بر آریم	رفتیم و کسے را ز خود آگاہ نہ کردیم
نازِ حسنت را نیازِ عشق می آرد جواب	گر ترا شمشیر در دست است ما را [illegible]
من بجاں بندۂ آں طرزِ تکلم کردن	سخنے گفتن و از ناز تبسم کردن

عزیزہ جہانم باین تیرہ بختی، | بخوے کہ بر جبۂ مہ سیاہی
رسی بدرد و الم گر فدائے خویش شوی | خدا کند کہ چو من مبتلائے خویش شوی

اے محتسب زمیکدہ کشتی نہ خوردی | کردی غلط کہ تشنہ لب از کوثر آمدی
می خواستم کہ مرگ تمنا کنم ز حق | بسیار خوب شد کہ تو ام بر سر آمدی

اُردو کلام

مائل دماغ اس کا ہے بسکہ عذر کیں پر | اُترا ہے چشم بد دور اب آسماں زمیں پر
ہد سمت ہو چلے اور آئینے سے ہمدم | ایک اینٹھنا اکڑنا جو کچھ ہو سو ہمیں پر
اک روز میں صبا کو دیکھا کہیں جو ناگہ | میری نظر پڑی جا اس کی نظر کی چین پر
تب میں کہا کہ صاحب کیوں ہیں گرفتہ خاطر | موسم بہار کا ہے فرحت ہے آفریں پر
کہنے لگا کہ لازم مجھ کو ہوا کہ بولوں | اس شرط سے گر آوے باور ترے یقیں پر
ساعت بھی ہوئی نہ ہو گی اس ماجرا کو گذرے | سیر چمن کا سودا آیا دلِ حزیں پر
کیا دیکھوں بلبلوں کو صیاد کی جفا سے | کتنیں آشیاں پڑے ہیں اور سر کہیں کہیں پر

ایک دن چاہا کہ دل کے رفع کرنے کو ملال | دیکھئے گلزار اور کیجئے علاجِ درد و غم
باغ میں پہنچا سو گل کو دیکھ دل پر خوں ہوا | اور بلبل کی صدا سُن کر اٹھا شور الم

سُن کے یہ بیٹھا منہ مالی نے ہوا مانع کہ آپ — ہے ابھی بہتر سدھاریں اور کریں فریاد ہم
تب مجھے یہ فارسی کی بیت یاد آگئی ضیا — سامنے اس کے پڑھا رو رو کے میں جائے ستم
نیستم گلچیں بہ دیدم در چمن سایہ باغباں — می نشینم گوشۂ واز بلبل نشنوم

تواضع تہنیت کرتے ہیں سب میں — ہوئے تم مہربان اللہ کب میں
مریں جو شمع رو رو ہم پڑے میں — اگر گذرے زمانہ ایک شب میں
ضیا میں ایک دن سیر چمن کو — گیا تو شور قلقیوں سے اور طرب میں
تو کیا دیکھوں کہ گل کی بارگہ میں — نپٹ گلہا تنگ ہے شور و شغب میں
ادھر مالی کا شور ادھر سے بلبل — پکارے ہے تفاوت اور ادب میں

ہمیں جو پوچھو تو محوِ ظہورِ خالق ہیں — کوئی ہو صوفی کوئی شیخ یار عاشق ہیں
کسی زمانے میں یہ رسم تھی پر اب یہ کہاں — کہ دور چلتے ہیں اور صحبتیں موافق ہیں
یہ وقت اب ہے کہ جوں زلف ہیں پریشاں سب — خفا ہیں مجھ سے اور شاکی تو لائق ہیں
سوائے یار کی صورت سے دختر رز کی — جو کوئی خوش ہو تو ہو وہ سیہ یار تو دقیق

غائبانہ جو محبت نہ رکھو تو نہ رکھو — میہماں پر تک ایک آنکھوں کا حجاب البتہ
گر تو قاصد مری جانب سے نہ کہوے تو نہ کہہ — پہ کیا ہوگا مرے خط پہ عتاب البتہ

ایک دن آ گیا کچھ جی میں سو پوچھا مجھ سے — کہ ضیا ہے گا کسی کا تو خراب البتہ
تب کہا میں کہ مرا حال تمھیں روشن ہے — اور تو کوئی نہیں پر یہ جناب البتہ

جو اشک آنکھوں سے تو یوں بھرے نکالا ہوئے — وہ جب جیئے کہ حق اس کا بچانیوالا ہوئے
یہی دعا ہے کہ اے سرو قد جہاں تو ہے — خدا کرے کہ وہاں تیرا بول بالا ہووے
وہ پھوڑے دل کے مرے کھٹکھنوں سے کیوں واقف — بغل میں دشمن جانی کو جس نے پالا ہوئے
کہیے صاف ہم انصاف سے خدا کی قسم — کبھو جو آپ کے میں نے کہے کو ٹالا ہوئے

مجھے گمان تھا کہ خو یونہیں دلربائی ہے — پھر آزما کے جو دیکھا تو سب دغائی ہے
کہا میں ایک دن اس شوخ بیوفا کے ساتھ — سبب ہے کیا کہ ہنوز اس قدر جدائی ہے
دیا جواب کہ تم اپنی زبان سنبھال کے بول — یہ کون بات ہے اور اس میں کیا بھلائی ہے
مگر سنا نہیں تو نے ضیا کہیں یہ مثل — کہ اختلاط زیادہ برا آشنائی ہے

رباعیات

کچھ رحم نہ ہوئے جس بنی آدم کو — گر لعل ہو منگا ہے بہلانے کم کو
ایسا جو ہنک ہنک کے اکٹھتے ہو گے — کیا تم نے میاں غریب پائی ہم کو

تم کو تو وہی ہے ڈھب جو دینا گالی
کوئی کیونکہ کرے غبار دل کا خالی
اتنے ہی میں تم نے رنگ بدلے اللہ
نیلے پیلے ہو بات منہ پر لالی

مالی سے کہا چمن میں گل نے جانی
شبنم ہے کہاں کہ کوئی نہیں اس کا ثانی
مالی نے دیا جواب جو بن حضرت
مدت سے اٹھا ہے اس کا دانہ پانی

ہے عشق کے ہات میں حکومت کلی
کرتا ہے نپٹ عمل یہ کھلی ٹلی
رکھ حسن سے بعد خط کے بوسے کی طلب
کرتا ہیگا وصول پالا پٹی

مجھ پر جو نپٹ ہی جور ہیگا
مشفق یہ کہاں کا طور ہے گا
ہے مہ بھی تو اپنی جائے پر خوب
پر وہ جھلکا کچھ اور ہے گا
معدوم ہوئی ہے آشنائی
یہ بھی ایک طرفہ دور ہے گا

جو کوئی کہ حال پہ میرے نگاہ کرتے ہیں
بتوں کے نام کو سن واہ واہ کرتے ہیں
نہ دود آہ کا پوچھو سبب کہ ہم ہر طرح
غم فراق کے منہ کو سیاہ کرتے ہیں
یہ مغبچوں نے جو موندے ہیں کے شیشے میں
ہمارے عیش کی کیا دیکھیں راہ کرتے ہیں

دکھلایا مجھے زلف وہ گرو نے ادا سیں
یعنی کہ اگر تو ہے پریشان تو بلا سیں

اک زلف تری کھائے ہے ہر پیچ پہ بل
پر حیف کہ کچھ چل نہیں سکتا ہے صبا سیں

جب شیخ مجھے پوچھے ہے کہتا ہوں جنوں میں
واللہ کہ تخفیف ہے حضرت کی دعا سیں

کیا کسی کے حال پر اہل جہاں کا دل جلے
شمع کا سر کاٹ لیتے ہیں زباں جب تک ہلے

خود نما کا سرنگوں ہوتا ہے خاکساروں کے حضور
عکس پانی میں پڑے ہے بادل و پربت کا

گر بتوں کا میں کروں شکوہ تو کافر ہوں ضیا
دل ہی جب ہو جائے دشمن تب کسی کا کیا چلے

رام

لالہ رام پرشاد نام تھا۔ قوم کائستھ سکسینہ۔ باشندۂ برہان پور۔ فن شعر گوئی میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ موصوف کا کلام صاف اور سلیس ہوتا تھا۔ اکثر فارسی زبان میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نہ ہی کلام دستیاب ہوا۔ صرف ایک شعر نمونۃً درج ذیل ہے ؎

آہ حسرت می کشد از رشک ما باد صبا
از دم ما غنچۂ تصویر خنداں می شود

دبیر

دولہ رائے نام دبیر تخلص۔ مولد و منشا برہان پور۔ آپ لالہ خوش حال چند فرحت برہان پوری کے برادر زادے ہیں۔ فنِ شاعری اور انشاپردازی میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ نیز تاریخ نگاری میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔ موصوف کی تالیف سے تاریخِ آصفی یادگار ہے جس میں خاندانِ آصفیہ اور امرائے عظام کے حالات نہایت تفصیل سے تحریر کئے ہیں۔ لالہ صاحب سنہ ۱۲۱۷ھ میں برہان پور سے اورنگ آباد آگئے۔ مدتِ دراز تک قیام کیا۔ سنہ ۱۲۲۵ھ میں وطنِ مالوف برہان پور میں فوت ہوئے

نمونۂ کلام

نہ ہر انساں ہنر دارد ندارد ۔۔۔ نہ ہر دریا گہر دارد ندارد
میانش را نشانے نیست پیدا ۔۔۔ کہ می گوید کمر دارد؟ ندارد

وقت جولانِ جنون است بیاباں مددے ۔۔۔ نہ فلک تنگ بود وسعتِ امکاں مددے
می طپد زخمیِ تیرِ نگہش بر سرِ خاک ۔۔۔ تیغِ ابرو مددے خنجرِ مژگاں مددے
سینہ ام سوخت ز داغ تپ مہجوریِ دوست
آہِ سردے مددے دیدۂ گریاں مددے

رونق

آپ کا اصلی نام غلام علی الدین تھا۔ لیکن عارف الدین کے نام سے زیادہ مشہور رہے۔ رونق تخلص تھا۔ برہان پور میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت ۱۱۹۲ھ ہے۔ آغاز شباب میں اپنے والد حافظ محمد معروف برہان پوری کے ہمراہ برہان پور سے مدراس آئے اور اس شہر کو مستقل وطن بنا لیا۔ کتب درسی کی تعلیم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور حاجی محمد مقیم صاحب سے پائی۔ طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل تھی۔ میر باقر آگاہ سے مشورۂ سخن کرتے فطری استعداد اور ذہانت کی وجہ سے بہت جلد نواب عمدۃ الامراء مرحوم کے زمرۂ شعرا میں جگہ حاصل کر لی۔ فارسی زبان کے محاورات کی تحقیق بہت دلچسپی سے کرتے تھے۔ وقت کا بیشتر حصہ اسی تلاش میں گزرتا تھا۔ نواب عمدۃ الامراء کے انتقال کے بعد کرنول پہنچے۔ عرصۂ دراز تک مطابق گورنر مدراس کی سرکار میں منشی گری پر مامور رہے۔ بعد میں حیدرآباد آکر عرصے تک قیام کیا اور وہیں انتقال ہوا۔ سن وفات کسی تذکرہ میں نہیں ملتا۔ فارسی زبان میں اشعار موزوں کرتے تھے ؎

طبع آزاداں نشود وارستہ از بند خطر ۔۔۔ در گذشتن آتش و آب است یکساں سایہ را

در بیاباں ہمسری با کوہ دارد حیرت است ۔۔۔ بر لب دریا نسیمے کرد لرزاں بید را

بعدِ قتلم آں ستم گر بے وفائے سنگدل
پا نہد بر سینہ و گوید کہ دشمن زیرِ پا
نیست کس را جانگداز ی مثلِ آں ثابت قدم
شمع میداند کہ آخر ہست مدفن زیرِ پا

رخِ تو در نظر آئینہ داری آید
بسادگی چہ قدر از تو کاری آید

شرارِ آسا وفئے فرصت ندارم
کہ آغازِ مرا انجام کردند
کریماں را عجب تسخیرِ دلہاست
خطوطِ دستِ احساں رام کردند

با آتشیں نفس نتواں ہم زباں شدن
کم میکند تجلی خود ماہ در سحر

متاعِ سود و زیاں بارِ خاطر ست اینجا
چو گردِ قافلہ اے کارواں زہم برخیز

ہوسِ سرو قدت بعد فنا ہم نہ رود
قمری می کنم ایجاد ز خاکسترِ خویش

کے بآسانی بدہم از دستِ دامانِ فراق
بعد ازیں دستِ من و چاک گریبانِ فراق

گرہ شود چو طباشیر اشک در مژہ ام
اگر بہ فرقتِ آں نے سوار گریہ کنم

رنگِ طلبے چو گوہر است مرا باگریستن ہستئ من چو اشک بود تا گریستن

شوخی مکن نسیم بزلفِ نگارِ من فہمیدہ نہ قدم بشب تار اندکے

فقیر

میر شجاع الدین نام تھا۔ فقیر تخلص کرتے تھے۔ آپ کے جد امجد میر محمد دائم صاحب کو محمد شاہ بادشاہ دہلی نے انڈو گڑھ اور مالوہ میں منصب قضا پر مامور فرمایا تھا۔ بعد ازاں نواب آصف جاہ اول کے عہد میں برہان پور کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس کے بعد نواب ناصر جنگ شہید کی مصاحبت میں بھی کچھ عرصے تک بہرہ اندوز ہوئے۔

نواب مذکور کی وفات کے بعد دائم صاحب مع فرزند سید کریم اللہ صاحب کے برہان پور آگئے اور یہیں مستقل قیام اختیار کیا۔ میر شجاع الدین کی تاریخ ولادت با سعادت ۱۲۹۱ھ میں واقع ہوئی۔ موصوف کی ولادت کے ایک سال بعد ان کے والد سید کریم اللہ صاحب رحلت کر گئے۔ میر صاحب کی پرورش ان کے نانا غلام محی الدین صاحب نے کی۔ برہان پور کے علماء سے عربی و فارسی کی تعلیم پائی۔ بیس سال کی عمر میں

زیارتِ حرمین سے بھی مشرف ہوئے۔ حج و زیارت سے فارغ ہو کر بڑہان پور میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ آخر نواب فتح الدولہ کے حسبِ ارشاد سنہ ۱۲۱۶ھ میں حیدرآباد آ گئے۔ وہاں مولانا عزت یار خاں محی الدولہ صدر الصدور سے علمِ حدیث کی سند حاصل کی۔ بعد ازاں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی خدمت میں عرفان و سلوک اور فیضِ باطنی حاصل کیا شاہ صاحب سے سلسلۂ قادریہ و نقشبندیہ و چشتیہ میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حافظِ قرآن اور سبعہ قراءت کے عالم تھے۔
آپ کی تمام عمر عبادتِ الٰہی میں اور علومِ دین کی تعلیم و تلقین میں بسر ہوئی۔ صدہا اصحاب نے موصوف کے چشمۂ فیض و علم و فضل سے سیرابی حاصل کی۔ نواب آصف جاہِ رابع میر صاحب سے نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔ اس کے علاوہ نواب نصیر الملک نواب شمس الامراء راجہ چندو لال اور حیدرآباد کے دیگر اکابر مشائخ علماء اور امراء آپ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ میر صاحب نے علمِ فقہ اور دینیات کی متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے جوہر النظام (عربی)، مناجاتِ منظوم (عربی)، مجموعۂ خطب (فارسی)، نعتیہ قصائد (عربی)، کشف الخلاصہ (اردو) خاص طور سے مشہور ہیں۔ کشف الخلاصہ میں مسائلِ فقہ کو نہایت خوبی سے سادہ اور سلیس اردو میں نظم کیا ہے۔ کتاب مذکور اپنے اختصار اور

جامعیت کے اعتبار سے اس قدر مقبول انام ہوئی کہ بمبئی، حیدر آباد اور ہندوستان کے اکثر مطابع میں متعدد بار چھپ چکی اور عام طور سے ملتی ہے۔ تاریخ ۴ محرم روز جمعہ ۱۲۶۵ھ میں آپ دارِ فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے۔ بیرون بلدۂ حیدر آباد مدفون ہوئے۔ موصوف کے مزار اقدس پر آپ کے خلیفہ و جانشین میر محمد دائم صاحب نے عالی شان گنبد تعمیر کیا۔

قاضی غلام محمّد صاحب

برہان پور کے مشہور عالم و شاعر تھے۔ کتب درسی کی تعلیم سیّد جلال الدین صاحب اللہ والے اور مولانا محمّد جمیل صاحب سے حاصل کی۔ طبع موزوں رکھتے تھے۔ اکثر فارسی میں نعتیہ اشعار کہتے تھے۔ عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ اس وجہ سے آپ قصبۂ عادل آباد میں زیادہ آمد و رفت رکھتے تھے۔ قصبۂ مذکور برہان پور سے ۲۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ عادل آباد ہی میں انتقال فرمایا یعنی وفات ۱۲۶۵ھ میں قصبۂ مذکور کی مسجد کلاں میں دفن کئے گئے۔ قاضی صاحب کے فرزند مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مؤلف تاریخ برہان پور بھی مشہور عالم و شاعر گذرے ہیں۔

نمونۂ کلام

شد منور وجودِ عالم از حشمتِ محمدؐ — مہتاب ماہ و انجم از طلعتِ محمدؐ

اے جانِ نازرا نم حرفے دگر بجا ہر — ہشدار ری تا نہاری جز مدحتِ محمدؐ

قائم مدام باشد اقبالِ دینِ احمدؐ — گردد ہلاکِ اعدا از شوکتِ محمدؐ

صد شکر پایۂ من از آسماں گذشتہ — از بہرِ آں کہ ہستم از امتِ محمدؐ

کارِ من پریشاں از دستِ خویش رفتہ — باشد کہ باز آید از دولتِ محمدؐ

یارب بفضلِ احمد عصیانِ من ببخشا — حاجاتِ من برآری از برکتِ محمدؐ

جنت بروزِ محشر صد مرحبا بگوید — از دعوئ غلامی با حضرتِ محمدؐ

نقی

حکیم میر علی نام تھا۔ نقی تخلص۔ مشہور شعرائے برہان پور سے تھے۔ مولوی میر عوض صاحب و مولانا محمد جمیل صاحب برہان پوری سے تعلیم کی تکمیل کی۔ فنِ طب میں مہارتِ کامل رکھتے تھے۔ شہر بمبئی میں آپ کا مطب تھا۔ اور قیام بھی وہیں تھا۔ آپ کے دستِ شفا سے ہزارہا اصحاب فیضیاب ہوئے۔ چنانچہ ناخدا محمد امین صاحب نے صلۂ علاج میں ایک مکان بھنڈی بازار میں دے دیا تھا۔ فنِ تاریخ گوئی میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ قاضی عزیز الرحمٰن و مولوی خلیل الرحمٰن اور برہان پور کے

بعض علما و شعرا حکیم صاحب کے فیض تربیت سے مشرف ہوئے۔
۱۲۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ موصوف کے طبع زاد چند فارسی
اشعار درج ہیں۔

از خامشیم دیدۂ پرنم گلہ دارد — وز جنبش دم سردی آہم گلہ دارد
ایں زخم چہ زخمیست کہ اصلاح نگیرد — جرّاح بتنگ آمد و مرہم گلہ دارد
تنہا تو نقی شکوہ ازاں یار چہ داری — از جور و جفائش ہمہ عالم گلہ دارد

بجلوہ آید اگر رشک جوہر خورشید — نثار چرخ کند بر سرش زر خورشید
نقی عبث تو تمنائے وصل او داری — چگونہ ذرہ نشیند برابر خورشید

اعزاز

مرزا دین محمد بیگ نام تھا۔ اعزاز تخلص۔ آبائی وطن کابل تھا
وہیں نشو نما اور تعلیم پائی۔ وطن مالوف سے دہلی آکر سکونت پذیر ہوئے
عرصے تک امرا کی ملازمت اور سفارت و وکالت میں رہے۔ اس کے
بعد نواب وزیرالدولہ کے عہد میں دہلی سے ریاست ٹونک میں آگئے
نواب صاحب نے موصوف کو عہدۂ سفارت پر مقرر کیا۔ مدت تک اس خدمت

پر مامور رہے۔ بعد ازاں نواب ناصر الدولہ کے زمانے میں ٹونک
سے حیدر آباد آگئے۔ وہاں چند مدت قیام کرکے آخر حکام کی قدردانی
سے ملکاپور ضلع بلڈانہ (برار) میں منصفی کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے
دو ڈھائی برس تک اس عہدے کو امانت و دیانت اور نیکنامی
سے انجام دیا۔ مقدمات کی تحقیق میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے
نہ ہی کسی کی سفارش منظور کرتے تھے۔ اہل مقدمہ اور ان سے متعلقین
سے گھر پر ملاقات نہیں کرتے تھے اور کسی کا ہدیہ یا تحفہ نہیں لیتے تھے۔
جب برار میں فارسی دفاتر موقوف ہوئے اور ہندی زبان کا رواج ہوا
اس وقت میرزا صاحب بھی موقوف ہوئے۔ ملکاپور کی جامع مسجد کے
بیرونی حجروں میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصے بعد بعض حکام کی ایما سے
جل گاؤں ضلع اکولہ (برار) میں تحصیلداری کے عہدے سے سرفراز
ہوئے۔ موصوف خوش مزاج شگفتہ دل، ظریف الطبع اور بذلہ سنج
تھے۔ مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جن سے اخلاق محمدی
فتاویٰ نسائی۔ عجائب الکلمات۔ مرأت الفضائل وغیرہ خصوصاً قابل ذکر
ہیں۔ مذکورہ کتب کے قلمی نسخے مولوی عبدالجبار صاحب مؤلف شعرائے دکن
کے کتب خانے میں موجود تھے مگر افسوس موسیٰ ندی کی طغیانی میں نذر سیلاب
ہوگئے۔ اعزاز کا انتقال قصبہ جل گاؤں (برار) میں ہوا۔ سن وفات ۱۲۷۶ھ

ہے قصبۂ مذکور میں ہی دفن ہوئے۔ فنِ شاعری میں دخلِ تامہ رکھتے تھے۔ صاحبِ دیوان ہیں۔ اکثر فارسی اشعار موزون کرتے تھے۔

انتخابِ کلام۔

مختلف اشعار۔

عذرم اثر پزیر نشد طبع یار را ۔۔۔ خاموش آبِ چشم نسازد شرار را

چون بقامت راست سازد سروِ نازش قبا ۔۔۔ بازبانِ گل مبارک بادمی آرد صبا
گر گذارد پا بچشم دل خیالِ نازِ او ۔۔۔ مردمک گوید زراہِ دیدہ اورا مرحبا

درسفر بردی رقیباں ارچہ جانان مرا ۔۔۔ دور کردی جانم از تن بردہ جانِ مرا

ہیتو در خانہ ایم خانہ خراب ۔۔۔ ہمچناں قطرہ درمیان حباب
گفت قاصد کہ یار می آید ۔۔۔ ایں خیال است دیدہ ام درخواب

از گردشِ زمانہ کسے را فراغ نیست ۔۔۔ آں کیست درجہاں کہ جگر پرز داغ نیست

وضعِ دلِ خونبار نمی دانم کیست ۔۔۔ ایں گریہ بسیار نمی دانم چیست

حلقۂ زلف او گلوگیر است　　　می کشید دل چو دام تزویر است

خواست آلوده کند پنجہ بخونِ من زار　　　خنجرش را زتنِ لاغرِ من عار آمد

در تہیدستی مناسبتیست قربِ دوستان　　　می فتد شاخ درختِ خشک از چشم بہار

زحسنت پرتوِ در گلشن افتاد　　　نمود از چہرۂ گل رنگ پرواز

گل بردہ گذر رشک زدامان قبایش　　　امروز پشیمان شدہ افتاد زپایش

بر سر تربت اعزاز بناز آمد و گفت　　　کشتۂ کیست کہ خوں از کفنش می بینم

شد تہی دستی از آن سرمایۂ سامان من　　　تا نہ بیند کس غبار از گوشۂ دامان من

رباعی

ہر غم کہ دریں زمانہ صورت دارد　　　در پیش من آمدن ضرورت دارد
من میکنمش ضیافت از خونِ جگر　　　با ایں ہمہ خاطرش کدورت دارد

حاذق

نام درگاہی خاں۔ تخلص حاذق برہان پور کے شعراء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے شہر کے متعدد علماء و شعراء نے موصوف سے عربی و فارسی کتب کی تعلیم میں استفادہ کیا۔ جن میں قاضی عزیز الرحمٰن اور قاضی حبیب الرحمٰن و مولانا خلیل الرحمٰن اور راجہ رنچھوڑ داس رائے خاص طور سے مشہور ہیں جس وقت راجہ رنچھوڑ داس حیدر آباد پہونچ کر منصب موروثی پر ممتاز ہوئے تو خاں صاحب کو بھی منصب داروں میں شریک کر لیا۔ خاں صاحب نے نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع کی خدمت میں قصیدۂ مدحیہ لکھ کر پیش کیا۔ حاذق صاحب نے علم عروض قافیہ میں غلام رسول صاحب سے استفادہ کیا۔ اور اشعار کی اصلاح میر خیرات علی صاحب مشتاق شاگرد میر تقی دہلوی سے لیتے تھے۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں دیوان مرتب کیا تھا۔ بتاریخ ۷ ربیع الثانی بروز جمعہ ۱۲۶۸ھ میں وفات پائی۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب نے تاریخ انتقال لکھی

حاذق تخلص می نمود آن نامور درگاہی خاں ۔ سعدی روش خوش گو منش مثل حسن شیریں زباں

افسوس رفتہ از جہاں فہیم دل با خلیق ۔ یک بلبل ہزار غم معانی بود گفتا سال آں

مناجات کے چند اشعار بطور نمونۂ کلام درج ہیں

الٰہی از کرم بر من درے از لطف بکشائی
تو ستاری و غفاری گناہم را بہ بخشائی

ہمی دانم خداوندا کہ من عاصی گنہگارم
بجز عصیاں نمی دارم با حوالم و دانائی

منم عاصی منم مجرم منم بےکس خداوندا
گناہم را بہ بخشائی و راہِ خویش بنمائی

خداوندا بفضلِ خود طفیلِ احمدِ مرسل
بریں عاجز بریں بیکس تو لطفِ خویش فرمائی

حافظ

مولانا حافظ سید کرم اللہ صاحب بھی برہان پور کے مائۂ ناز عالم و شاعر گذرے ہیں۔ آپ مولوی سید ابراہیم صاحب کے خلفِ رشید ہیں سلسلۂ نسب حضرت مخدوم بھانیاں سے ملتا ہے۔ حافظِ قرآن اور عالم با عمل تھے۔ حافظ صاحب کے زہد و تقوے اور علم و فضل کی وجہ سے خاص و عام موصوف سے اعتقادِ کامل رکھتے تھے۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں صدہا باشندگان برہان پور شامل تھے۔ برہانپور کی جامع مسجد میں عرصۂ دراز تک وعظ فرماتے رہے اور بندگانِ خدا کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ ۱۲۸۱ھ میں رحلت فرمائی۔ جامع مسجد برہان پور کے صحن میں مدفون ہوئے۔ قاضی حبیب الرحمٰن صاحب نے حافظ صاحب کی تاریخ وفات کہی۔

چو حافظ سید کرم اللہ صاحب شد از دنیا و عالم کرد غم ناک
حبیب از بہرِ تاریخش بگوشم خرد گفتا نہاں شد ماہ در خاک

حافظ صاحب کے فرزند سید اکرام اللہ صاحب بھی حافظِ قرآن اور مشہور عالم تھے۔ ان کا مدفن بھی صحنِ جامع مسجد میں ہے۔ موصوف جامع مسجد کے منتظم بھی تھے۔ ان کے فرزند سید انعام اللہ صاحب بھی عالم و فاضل تھے۔ سید انعام اللہ صاحب کے خلفِ رشید مولانا سید احکام اللہ صاحب فی الحال جامع مسجد برہان پور کے پیش امام ہیں۔ موصوف کامیاب مقرر اور واعظ ہیں۔ حافظ کرم اللہ صاحب فارسی اور اردو زبان کے قادرالکلام شاعر تھے۔ موصوف کا کلیاتِ نظم مولوی سید احکام اللہ صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے جس کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے۔

سورۂ والّیل دیدم وصفِ گیسوئے شماست والضحیٰ خواندم سراسر نسخہ روئے شماست
پایہ پایہ تا بسوئے قابَ قوسین آمدم چوں نظر کردم صفاتِ طاقِ ابروئے شماست
دیدہ ام بسیار در تفسیرِ مازاغ البصر شرحِ چشم مست شور انگیز جادوئے شماست
حرف حرفے سورۂ یوسف فرو خواندم بسے ذرۂ از آفتابِ حسنِ دل جوئے شماست
بانگ طِبتُم فَادخُلوھا خالدین اندر جہاں چوں بگوشِ جاں شنیدم از سرِ کوئے شماست
ایں روایت ہا کہ می گویند از خلقِ عظیم دفترِ اخلاق خواندم سر بسر خوئے شماست
آں نسیم صبح کو جاں را ہمی بخشد نوا نکہتے از باغِ زلفِ عنبریں موئے شماست

سرنگوں کردی بُتاں از یک اشارا روزِ فتح
کفر را از پا فگندن زدیہ بازوئے شجاعت

خشک بہ آں لب کہ بوسہ گیرِ رخسارے نشد　　سنگ بر سینہ کہ او ہم سینۂ یارے نشد
باد بر خارِ مغیلاں نوحہ گر آں بلبلے　　در بہارِ خوش نوا بر شاخِ گلزارے نشد
باد پر خندہ دہانت اے گلِ رعنا مدام　　گرچہ گاہے بے فغان آں بلبلِ زارے نشد
دیدۂ چشم سوئے یار دیارِ من سوئم ندید　　کارِ من زاں شوخ من آرے شد و آرے نشد
عاشقِ شوریدہ داند پیچ و تابِ زلف را　　آں رقیبِ کور دیدہ واقفِ تارے نشد
عاشقِ صادق نہ ترسد از ملامت اے عزیز　　بود کاذب آں کہ چوں منصور بردارے نشد
حافظا غرہ مشو بر مہرِ دوراں یک زماں　　مہرِ ایں نامہرباں بارے شد و بارے نشد

در بطالت مایۂ عمرت ہمہ برباد رفت　　مابقی را مغتنم داں زود در کردار شو
از غبارِ حبِ دنیا تیرہ کردی آئینہ　　از عبادت و ز ریاضت صیقلِ زنگار شو
چند ہمچوں خود پرستاں طالبِ دنیا و زر　　گر خدا را می پرستی طالبِ دیدار شو
شادیٔ دنیا بمحشر غم فزاید آخرت　　از برائے شادیٔ عقبیٰ دمے غمخوار شو
روز بازار نیست عقبیٰ از برائے تاجراں　　نقدِ ایمان و عبادت گیر در بازار شو
شاغلانِ ذکرِ حق را ہر زماں آید ندا　　داخلِ جنّت تجری تحتہا الانہار شو
ہر کہ در کارِ خدا مشغول باشد صفا　　از فلک گوید ملک از نعمت برخوردار شو

جمالت نور بخش ہر نظر باد — کمالت روز افزوں با قدر باد
دہانت مخزن گوہر فشان است — لبانت مایۂ شیر و شکر باد
قدت سرو سہی را پست کردہ — رخت روشن تر از مہر و قمر باد
چو تیر غمزہ اندازی بہ حیثیت — دلِ مجروحِ عاشق چوں سپر باد
سوادِ زلفِ تو گم کرد راہم — عذارت رہنما ہم چوں سحر باد
اگر یابم نسیمت زندہ گردم — بجا کم چوں مسیحا رہگذر باد
رقیباں را بدر کن از درِ خویش — ز حافظ قرب پایت بیشتر باد

اُردو کلام

کچھ خبر ہے تجھ کو اے دل وقت کیسا آئیگا — بسترِ عشرت سے اُٹھ کر خاک اندر سوئیگا
نقدِ فرصت جس نے کھویا عیش میں دنیا کے آج — کل کو مل مل اشکِ حسرت ہاتھ اپنے دھوئیگا
اس بخشش کی خدا سے ہے یقیں بیشک اُسے — جو گنہ کو یاد کرکے با ندامت روئیگا
خوابِ غفلت چھوڑ دے ہشیار ہو ہشیار ہو — گر سنا ہے تو نے حافظ سوئیگا سو کھوئیگا

اشکِ خونی سے رواں چشمِ گریاں کیجئے — گوشۂ داماں کو اب رشکِ گلستاں کیجئے
شہر بندِ عقل میں رہنا تجھے معلوم ہے — ملکِ وحشت کے سفر کا اب تو ساماں کیجئے
کلبۂ احزاں ہمارا غم سے بس تاریک ہے — اس کو روشن اب تو اے ماہِ درخشاں کیجئے
دل کو جمعیت ہے تیری زلف کے ہر پیچ میں — اس کو شانہ کر کے ہرگز نہ پریشاں کیجئے

شب جوانی کی گئی اور صبح پیری ہے نمود　　کوچ کا اب وقت آیا کچھ تو ساماں کیجیے
حافظِ مسکیں تمہارے لطف کا محتاج ہے　　اپنا کرم اس پہ ذرا اے شاہ مرداں کیجیے

یہ آرزو ہے دل میں جو دل کی آرزو ہو　　ہر وقت ہو مہیا ہر وقت روبرو ہو
وقتِ بہارِ گل ہو رونق چمن کی کل ہو　　بلبل بشور و غل ہو لبریز آبِ جو ہو
چنگ و رباب خوشتر فرد و غزل ہو بہتر　　مطرب ہو ماہ پیکر آواز خوش گلو ہو
ساقی ہو کامگاری ساغر سوز زنگاری　　ہو محتسب سے یاری مئے سے بھرا سبو ہو
شب ہوئے کالی کالی گھر ہو دگر سے خالی　　خالی نہ ہو سوالی میں ہوں وہ ماہ رو ہو
دلبر ہو خوب منظر چشماں کشیدہ خنجر　　لب ہو ویں برگ گل سے اور زلف مشکبو ہو
حافظ سخن ہے حاصل جبتک دوئی ہے فاصل　　جب ہو گیا تو واصل پھر کس سے گفتگو ہو

فیض

میر شمس الدین صاحب فیضؔ بہار کے مشہور ترین شعرا میں تھے آپ کے جدِ محترم مولوی رحمت اللہ صاحب نواب آصف جاہ اول کے عہد میں دہلی سے دکن آئے اور حیدرآباد میں قیام کیا۔ منصبدار شاہی تھے۔ فیض کے والد میر امیر الدین کی ولادت حیدرآباد دکن میں ہوئی

یعنی موروثی خدمت پر مامور رہے۔ ۱۹۱۰ء میں مع اہل و عیال ایلچ پور (برار) گئے وہاں آٹھ نو سال مقیم رہے۔ ۱۹۱۵ء میں فیض کی پیدائش بلدۂ ایلچ پور میں واقع ہوئی۔ فیض کی ولادت کے بعد ان کے والد اپنے وطن حیدرآباد آگئے۔ اور موروثی مکان میں سکونت اختیار کی فیض کی نشوونما اور تربیت وہیں کے مشہور اساتذہ اور علمار کی نگرانی میں ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ بعدازاں علوم متداولہ کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ شعر و سخن کی طرف فطری لگاؤ تھا۔ طبیعت بھی موزوں پائی تھی۔ مشق سخن کرنے لگے اپنا کلام حافظ تاج الدین صاحب مشتاق دہلوی کو دکھاتے تھے۔ جو خواجہ میر درد دہلوی کے شاگرد رشید تھے۔ فطری ذہانت و ذکاوت کی وجہ سے بہت جلد فن شعر و سخن میں رتبۂ کمال کو پہونچے۔ فیض کی بدیہہ گوئی مشہور خاص و عام تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی شاگرد نے یہ مصرع پڑھا

دالنے نہ آپ سبحہ و سمرن کے دیکھئے

کہا استاد مصرع ثانی خیال میں نہیں آتا۔ موصوف نے برجستہ یہ کہا،

منکے ڈھلے ہوئے مری گردن کے دیکھئے

فیض کے کلام میں میر درد اور میر تقی کا رنگ نمایاں ہے بعض جگہ اساتذہ لکھنؤ کا انداز بھی ہے۔ زبان سادہ اور سلیس ہے۔ فن تاریخ گوئی میں دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ آپ کے تاریخی مادے لفظی و معنوی

محاسن سے آراستہ ہیں۔ دکن کے صدہا شعرا موصوف کے فیض تربیت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ فیض صوفی مشرب تھے۔ حافظ محمد علی خیرآبادی سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ اکثر اصحاب حسن اعتقاد سے آپ کے حلقۂ مرید ارادت میں داخل ہوتے تھے۔ وقت کا بیشتر حصّہ تالیف و تصنیف میں صرف کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف سے متعدد کتابیں طبع ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں۔ جن سے طریق الفیض۔ شرح عوامل۔ شمس النحو، شمس الصرف۔ رسالہ ناسخ و منسوخ۔ شرح کلمۃ الحق۔ مفید الاحکام خزانۃ الامثال (اصلاحات و لغات) فیض جاری۔ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی اور اردو زبان کے دونوں دیوان بھی طبع ہو چکے ہیں۔ سنہ ۱۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ اور بیرونِ شہر حیدرآباد میں مدفون ہیں۔ فی الحال موصوف کا دیوان دستیاب نہ ہوا۔ لہذا مختصر انتخاب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کریں ہم کس کی پوجا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم صنم ہم دیر ہم بت خانہ ہم بت ہم برہمن ہم

در و دیوار ہیں نظروں میں اپنی آئینہ خانہ کیا کرتے ہیں گھر بیٹھے ہوئے آپ اپنا درشن ہم

نہ قیل و قال سے مطلب نہ شغل و اشغال سے مطلب مراقب اپنے رہتے ہیں جھکا کر اپنی گردن ہم

کب اٹھتے ہیں اٹھانے سے کسی شیخ و برہمن کے درِ دلبر پہ اپنے مار کر بیٹھے ہیں آسن ہم

ہوا اے فیض معلوم ایک مدت میں ہمیں وہ تھے جپا کرتے تھے جس کے نام کی دن رات سمرن ہم

خطِ جادہ ہوں یا میں نقشِ پا ہوں
غرض افتادگاں کا رہنما ہوں

عبث رکھتے ہیں مجھ پر تہمتِ مرگ
بہت راتوں جگا تھا سو رہا ہوں

جو ناکارہ ہوں یا میں کام کا ہوں
تمہارا ہوں بھلا ہوں یا بُرا ہوں

نہ کر اس چشم کا پھر مجھ کو بیمار
ابھی اے فیض مر مر کے جیا ہوں

حرم ہیں دیر میں جب کوئی روبرو آیا
مجھے یقین ہوا بس یہی کہ تو آیا

کسی کا کوئی بھی ممنون ہیں ہو کر انصاف
اِدھر سے میں نکل آیا اُدھر سے تو آیا

اُڑا ہیں جیب کی لاکھوں ہی دھجیاں میں نے
مگر نہ قبضے میں دامانِ آرزو آیا

دھوم ہے نرگسِ شہلا کے خریداروں کی
دفن ہے لاش جہاں چشم کے بیماروں کی

کل سے پھر جی نڈھال ہے میرا
آج جینا محال ہے میرا

سر رہ گالیاں کھانے کھڑے ہو
ارے میاں فیض کیا چکنے گھڑے ہو

ہے انانیت ہر اک انسان میں
کہہ گیا ہے کچھ فرشتہ کان میں

نہیں فرق کچھ دیر میں اور حرم میں　　جو بت چاہتا ہے خدا چاہتا ہے
تقاضا دیت کا مگر فیض ان سے　　خدا سے کوئی خوں بہا چاہتا ہے

کفر جو تھا دین مرا ہو گیا　　بت بھی نصیبوں سے خدا ہو گیا
کیسی دوا مجھ کو مسیحا نے دی　　دردِ محبت کا سوا ہو گیا،
موت کدھر آتی ہے دیوانی ہے　　فیض تو پہلے ہی فنا ہو گیا

ناقص

آپ کا اسم گرامی خواجہ محمد صاحب اور تخلص ناقص تھا۔ موصوف کا شمار برار کے مشہور علماء اور شعراء میں تھا۔ سلسلۂ نسب مشہور صوفی اور عالم شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوری سے ملتا ہے۔ خواجہ صاحب کی ولادت ۱۲۱۸ھ میں قصبہ ملکاپور ضلع بلڈانہ (برار) میں واقع ہوئی۔ نشوونما اور تعلیم بھی وہیں پائی۔ ابتدائی تعلیم شیخ گلاب صاحب سے حاصل کی۔ جو مولوی جلال الدین صاحب اللہ والے کے شاگرد تھے۔ بعد ازاں دیگر اساتذہ سے کتبِ فارسی اور عربی صرف ونحو کی تکمیل کی۔ خواجہ صاحب کی شادی قاضی سید عبد اللہ صاحب کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ قاضی صاحب کی

اس دختر کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی۔ لہٰذا داماد کے نام تمام جائدادِ منقولہ وغیر منقولہ سرکاری طور سے ہبہ کر دی۔ خواجہ صاحب کے بزرگ خود بھی موضع ہیلنگنا (ملکا پور) کے جاگیردار تھے۔ صاحبِ حشمت و جاہ اور امیر ہونے کے باوجود موصوف کے مزاج میں تواضع انکسار تھا۔ آپ کا حسنِ اخلاق اور مہمان نوازی برار میں مشہور ہے۔ روزانہ متعدد مہمان اور مسافر آپ کے وسیع دسترخوان سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ خواجہ صاحب صوفی منش تھے۔ ۱۳۰۱ھ میں ملکا پور سے کاکوری تشریف لے گئے۔ میر تقی علی صاحب کاکوروی سے طریقہ چشتیہ میں بیعت کی اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ عرصہ تک کاکوری میں قیام کیا۔ اس کے بعد وطنِ عزیز ملکا پور آئے۔ خواجہ صاحب نے بعمر ۷۵ سال ۱۳۰۳ھ میں انتقال فرمایا۔ جامع مسجد ملکا پور دروازے کے سامنے مدفون ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد تینوں فرزند خان بہادر خواجہ بدیع الدین و خواجہ اکرام اور خواجہ منیر الدین بھی موروثی منصب سے سرفراز ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ کے خاندان کے دیگر افراد بھی معزز و ممتاز اور زیورِ تعلیم سے آراستہ تھے۔ فی الحال خواجہ صاحب کے خاندان سے قاضی ربانی میاں صاحب ملکا پوری ابھی ملکا پور میں بقیدِ حیات ہیں۔ موصوف بھی مہمان نوازی اور حسنِ اخلاق میں اپنے بزرگوں کے پیرو ہیں۔ افسوس خواجہ محمد صاحب کا کلام دستیاب نہ ہوا۔

موصوف فارسی اور اُردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔

واثق

قادر خاں نام تھا واثق تخلص۔ آپ کے والد حیدرآباد دکن میں عرصے تک عہدۂ رسالداری پر مقرر تھے۔ ان کے بعد واثق صاحب بھی کچھ دنوں تک اس خدمت پر مامور رہے۔ آپ کی ولادت بُرہان پور میں واقع ہوئی۔ تعلیم اور نشو ونما بھی یہیں حاصل کی۔ شعر وسخن سے فطری لگاؤ تھا۔ زیادہ تر نعت اور منقبت نگاری میں فکر سخن کی ہے۔ موصوف کو درگاہی خاں صاحب حاذق بُرہان پوری سے تلمذ حاصل تھا۔ بعمر ۷۰ سال بُرہانپور میں رحلت کی۔ سن وفات ۱۳۲۸ھ ہے۔ واثق صاحب کا کلام بہت کمیاب ہے۔ لہذا منقبت کے چند اشعار بطور نمونہ کلام درج ذیل ہیں۔

پیدا ہوا جب سرورِ کّی مدنی ہے — تب سے یہ شروع محفلِ شاہِ زمنی ہے
اللہ کو مولود کی جس کے ہوئی فرحت — کیا رتبہ ہے کیا رحمتِ ذوالمننی ہے
دوں اشک مہا کوئی کہے گیسو کو تیرے — لو چادرِ خورشید سے یہ مُشک چھنی ہے
یا مشکِ ارم مشک کی جاں یا حسدِ مشک — یہ شک ہے اور یہیں یہ مشکِ ختنی ہے
ہے قدر اسی کو ترے اشعار کی واثق — جو بحرِ محبت میں کیا غوطہ زنی ہے

حبیب

قاضی حبیب الرحمٰن نام تھا۔ قاضی غلام محمد صاحب برہانپوری کے خلفِ رشید تھے۔ ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۶۱ھ کو برہان پور میں پیدا ہوئے۔ مولوی جمیل صاحب۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب اور بمبئی کے بعض علماء سے تعلیم حاصل کی۔ عرصۂ دراز تک برہان پور میں سرکار کی طرف سے آنریری مجسٹریٹ کے عہدے پر مامور تھے۔ اور خطاب خان بہادری سے بھی معزز تھے۔ ۱۲۸۵ھ میں حیدرآباد گئے۔ اور مولانا محمد نعیم صاحب معروف بہ مسکین شاہ سے طریقہ نقشبندیہ اور قادریہ میں بیعت کی۔ اس کے بعد اکثر حیدرآباد میں آمد و رفت رہی۔ آخر ۱۳۲۲ھ میں برہان پور میں انتقال فرمایا۔ قبرستانِ شیخ پورہ برہان پور میں مدفون ہیں۔ اکثر فارسی میں نعتیہ اشعار موزوں فرماتے تھے۔ نمونۂ کلام درج ہے۔

اگر نورِ حق اگر بزمانِ تو بودے — چشم و جبیں بجائے مطہر بودے
سرگشتگیٔ غنچۂ دل وا شود صبا — بندا اگر رساند ازاں روضہ بودے
موسیٰ ز حق بشوق و طلب ایں جواب یافت — تا ہم نیاری ورنہ حجابم کشودے
آں شانِ تو کہ ذاتِ خود از خود نمود گفت — گر ذاتِ تو نبودہ نہ عالم نمودے
شکرِ حق ایں کرامتِ غیرت حبیب گفت — می گفت ہر نبی کہ بعہدِ تو بودے

قبلہ

نواب علی رضا خاں نام تھا۔ چھندواڑہ (سی پی) کے رئیس تھے آپ کے آباؤ اجداد دربارِ شاہانہ دہلی وحیدرآباد میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے۔ موصوف کے خاندانی وقار اور ذاتی اعزاز کو انگریز سرکار بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ فن شعر و سخن میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ آپ کے مفصل حالات **تذکرۂ بزم سخن** مؤلفہ سید نورالحسن خاں فرزند نواب صدیق حسن خاں والئی بھوپال میں درج ہیں۔ مشہور شاعر افتخار الشعراء حافظ خان محمد صاحب شہیر بھوپالی موصوف کے خواہر زادے تھے۔ نواب قبلہ صاحب دیوان تھے آپ کے کلام میں اساتذۂ قدیم کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔

انتخاب کلام

دستِ رنگیں میں اگر خنجرِ براں ہوگا ۔۔۔ کون ہوگا جسے مرنے کا نہ ارماں ہوگا
غیر پر لطف بھی ہوگا تو نہ ہوگا مشکور ۔۔۔ ہم پہ بیداد بھی کیجے گا تو احساں ہوگا
کچھ طبیعت بھی نظر ہے کہ بدل جائے گی ۔۔۔ کچھ مرا دل بھی عدو ہے کہ پشیماں ہوگا
شکر کے ساتھ ہو شکوہ بھی اجل سے قبلہ ۔۔۔ اس ستم گر کو ابھی جور کا ارماں ہوگا

وہ وفورِ شوق میں آتے ہیں شرماتے ہوئے
یاد آتی ہے جفائے سابقہ آتے ہوئے

ہوتی ہے ہر آہ سے پژمردگی دل کی سوا
پھول یہ دیکھا، ہوا سے ہم نے یہ مرجھاتے ہوئے

عرضِ مطلب پر کہا وہ کون کل دیتا تھا جاں
شرم تو آتی نہ ہو گی منہ سے فرماتے ہوئے

سخت جانی سے ہوا ہوں تنگ ہجرِ یار میں
موت آتی ہے یہاں تک موت کو آتے ہوئے

اضطراب اور پھر مرے دل کا
دیکھئے آ کے رقص بسمل کا،

پردۂ چشمِ قیس اے لیلےٰ
بن گیا پردہ تیرے محمل کا،

کشتۂ ناز اک زمانہ ہے۔
تیغ منہ دیکھتی ہے قاتل کا

مدعی ایک نہیں محرمِ اسرار ہنوز
سبحہ و شیخ میں ہے رشتۂ زنار ہنوز

ان کے اندازِ نزاکت نے جہاں کو مارا
خیر سے اٹھتی نہیں ہاتھ سے تلوار ہنوز

تحسینؔ

تحسین علی خاں نام تھا۔ نواب رضا علی خاں صاحب قبلہ کے فرزند تھے۔ سنِ ولادت ۱۸۶۵ء ہے۔ عرصے تک کھنڈوہ (سی، پی) میں نائب تحصیلداری کے عہدے پر مامور تھے۔ شعر گوئی میں اچھی استعداد حاصل تھی۔ اپنے والد سے استفادہ کرتے تھے۔ کچھ روز تک افتخار الشعراء

حافظ خان محمد صاحب شہید بھوپالی سے بھی اصلاحِ سخن کا سلسلہ رہا۔ موصوف کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نمونۂ کلام۔

یہی ہے حال اس کے عشق میں ساری خدائی کا — مجھے شکوہ ہے اپنے بخت سے کیوں نارسائی کا
حنا کا یا الٰہی کھوج مٹ جائے کہ آنے میں — بہانہ ان کو مل جاتا ہے اک بے دست و پائی کا
زمانے میں مروت تیری ہے مشہور اے تحسین — نباہا سب سے جیسا چاہیئے حق آشنائی کا

آفت کی شوخیاں ہیں مرے اضطراب میں — پھرتا ہوں ایک برق شمائل کے آس پاس
صحرائے نجد وادیٔ دل سے قریب ہے — پردے ہیں چشم قیس کے محمل کے آس پاس

سر سے اترا ہے تری زلف کا سودا دل میں — ایک یہ اور سنو ڈس گیا کالا دل میں
تیرِ مژگاں کسی پہلو بھی پڑے سینے پر — پر جگر توڑ کے آجاتا ہے سیدھا دل میں

وردِ زبانِ خلق ہے افسانۂ جنوں — گویا کہ ہو گئے ہیں مری داستاں کے پاؤں
دیوانہ وار وادیٔ غربت میں جب چلا — آآ کے خار پڑتے تھے مجھ خستہ جاں کے پاؤں

واصف

محمد فقیر الدین نام تھا۔ واصف تخلص۔ ریاست ناگور موصوف کا

مولد و مسکن ہے۔ ۱۴ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ برہان پور آئے
یہیں تعلیم پائی۔ فارسی کی درسی کتب مولانا اختر محمد خاں صاحب برہانپوری
سے پڑھیں۔ زمانۂ طفلی سے ہی شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ برہان پور کے
مشہور شاعر قادر خاں صاحب واثق سے تلمذ رکھتے تھے۔ صوفی مشرب تھے
آپ کو سید ابو البرکات صاحب چشتی برہان پوری سے شرف بیعت حاصل تھا
نہایت ملنسار اور خلیق تھے۔ بعمر ۵۷ سال پیچش کے مرض میں انتقال کیا۔
واصف مرحوم کے شاگرد رشید منشی محمد عثمان خاں صاحب راغب
فی الحال بقید حیات ہیں اور برہان پور کے مشہور اساتذہ میں ہیں برہانپور
خاندیس اور برار وغیرہ میں موصوف کے اکثر شاگرد ہیں۔ آپ کا کلام ہندوستان
کے معیاری رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ واصف صاحب زیادہ تر
نعتیہ اشعار موزوں کرتے تھے۔ اس کے سوا دیگر موضوعات پر بہت کم
طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کے نعتیہ اشعار والہانہ عشق نبیؐ کے آئینہ دار ہیں
مختصر انتخاب درج ذیل ہے۔

حبیبِ خالقِ اکبر شہِ گردوں جناب آیا — مبارک ہو رسولانِ سلف میں انتخاب آیا
خدا کے بعد ایسا کون یکتا لاجواب آیا — کہ جس کی شان و شوکت سے فرشتوں کو حجاب آیا
سپہرِ برجِ وحدت کا چمکتا آفتاب آیا — مٹی ظلمت جہاں روشن ہوا وہ ماہتاب آیا
کھلا ہے جس پہ علم ظاہر و باطن خدائی کا — وہی نورِ مجسّم صاحبِ امّ الکتاب آیا

اُسی کی آبداری نے بڑھائی آبرو وصفؔ ۔۔۔ نبی بحرِ جہاں میں بے بہا دُرِّ خوش آب آیا

جو داغِ دل ہوا عشقِ شہِ لولاک سے پیدا ۔۔۔ میں سمجھا ہو گیا اک آفتاب افلاک سے پیدا
جو نورِ حق ہوا ذاتِ رسولِ پاک سے پیدا ۔۔۔ ہوئی کیا کیا تجلّی صورتِ بیباک سے پیدا
تڑپ کر برق ہر نقشِ قدم پر لوٹ جاتی تھی ۔۔۔ تھی ایسی تیز رفتاری توسنِ چالاک سے پیدا
رسولُ اللہ کی یہ شانِ انگشتِ شہادت تھی ۔۔۔ ہوا شقُّ القمر کا معجزہ افلاک سے پیدا
دکھایا رنگ شاہینِ طبیعت نے عجب وصفؔ ۔۔۔ شکارِ طائرِ مضموں ہوا فتراک سے پیدا

میں صدقے ہوں فدا ہوں شاہِ دیں کے ۔۔۔ مروں یا رب مدینے کی زمیں پر
شبِ معراج دولھا بن کے بیٹھے ،، ۔۔۔ محمد مسندِ عرشِ بریں پر ،،
نہیں خاکِ مدینہ کے یہ ذرّے ۔۔۔ ستارے آسماں کے ہیں زمیں پر
فرشتے جھلتے ہیں پنکھا پروں کا ۔۔۔ مزارِ رحمۃٌ للعالمین پر
حسابِ حشر کا وصفؔ نہیں ڈر ۔۔۔ بھروسہ ہے شفیعُ المذنبین پر

خلیل

مولوی خلیل الرحمٰن صاحب برہان پور کے قاضی خاندان میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ موصوف کے تمام آباؤ اجداد صاحبِ علم و فضل تھے۔ آپ

قاضی غلام محمد صاحب کے فرزند ہیں۔ ۲۰۔ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ میں السرور
برہان پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد صاحب سے قرآن کریم حفظ کیا اور
بعض کتب درسی پڑھیں ۱۲۶۹ھ میں حکیم سید علی نقی صاحب کے ہمراہ بمبئی تشریف
لے گئے۔ وہاں دو سال تک قیام رہا۔ ہیں حکیم صاحب سے اصلاح خط اور
اور بعض فارسی کتب کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مولانا محمد اکبر صاحب کشمیری
مدرس جامع مسجد بمبئی سے عربی صرف و نحو حاصل کیا۔ اس کے علاوہ دیگر
مشہور علمائے کرام مولوی محمد جمیل صاحب مولوی جلال الدین صاحب
اور مولوی کرامت علی صاحب سے بھی مختلف علوم و فنون میں استفادہ
کیا۔ بعد ازاں مولانا محمد نعیم صاحب معروف بہ مسکین شاہ کے دست حق
پرست پر سلسلہ نقشبندیہ اور قادریہ میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ عرصہ مدید
تک شاہ صاحب سے فیض باطنی حاصل کیا۔ اور منازل عرفان و سلوک
طے کئے۔ قاضی صاحب اہل تصانیف تھے۔ اور فن شاعری میں
دخل تامہ رکھتے تھے۔ عربی و فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں طبع آزمائی
کی ہے آپ کے عربی اور فارسی نعتیہ قصائد کا مجموعہ موسوم بہ سیلۃ الفقر
۱۲۹۷ھ میں مطبع نظامی کانپور میں طبع ہو چکا ہے کتاب فتح المجتہدین
مطبع نولکشور میں دو مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ رسالہ صفات الاولیاء

حافظ مولوی عبدالاحد صاحب کے اہتمام سے مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی مشہور کتاب تاریخ بُرھان پور بھی دو بار زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ جس میں بُرہان پور میں شاہانِ فاروقیہ، سلاطینِ مغلیہ اور دولتِ آصفیہ کے عہدِ حکومت کے حالات بیان کئے ہیں اور یہاں کے صوفیائے کرام اور علمائے عظام کی سوانح درج ہیں۔ اس کے علاوہ بُرہان پور کی عمارات اور آثارِ قدیمہ کا احوال بھی تحریر کیا ہے۔ اگرچہ یہ اس شہر کی مکمل تاریخ نہیں ہے تاہم اس کی بعض خصوصیات قابلِ قدر ہیں۔ موصوف کو فنِ تاریخ گوئی میں جو ملکہ حاصل تھا۔ اس کی مثال بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ تاریخ بُرہان پور میں متعدد قطعاتِ تاریخ درج ہیں۔ جو آپ کی مہارتِ فن کا بیّن ثبوت ہیں۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب کی عمر کا بیشتر حصّہ حیدر آباد میں گذرا اور وہیں وفات پائی۔ تاریخِ انتقال معلوم نہ ہو سکی۔ موصوف کا مطبوعہ کلام بھی نہ مل سکا۔

عنایت

محمد عنایت اللہ نام۔ مولد و مسکن قصبۂ ہدنیرہ ضلع امراؤتی (برار) ہے۔ موصوف کے والد مولوی عظمت اللہ صاحب قصبہ مذکور کی مسجد کے امام تھے۔ عنایت کی تعلیم برار کے مدارس میں تکمیل کو پہنچی۔ فارسی

محمد حسن صاحب آروی سے حاصل کی جو اُن دنوں بہار ہیں ہائی اسکول کے صدر مدرس تھے۔ علم ریاضی کی تکمیل آگرہ کالج میں کی۔ فنِ شاعری میں منشی نورجہاں صاحب سے استفادہ کیا۔ موصوف فارسی اور اُردو میں فکرِ سخن کرتے تھے زیادہ کلام نہ مل سکا۔ دو شعر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

پھر گلوں سے ہو گیا ہر ان غزلوں گلزار سرخ   عندلیبو فصلِ گل آئی ہوئے اشجار سرخ

جب نظر مقتلِ عشاق پہ پہونچی میری   خون سے سرخ تھے میدان ہزاروں لاکھوں

نفیس

بھوانی پرشاد نام تھا۔ قوم کائستھ۔ مولد و منشا بلدۂ ابلیچ پور (برار) ہے۔ فارسی اور عربی۔ علم سیاق و حساب میں خاص مہارت تھی۔ اس کے علاوہ قانون دانی میں بے مثل تھے۔ عمر کا بیشتر حصہ حیدرآباد دکن میں بسر کیا شہر کے کامیاب وکلاء میں آپ کا شمار تھا۔ نثر نگاری اور فنِ نظم میں یکساں استعداد رکھتے تھے۔ موصوف کو میر سرفراز علی صاحب الٰہ آبادی سے تلمذ کا فخر حاصل تھا۔ کلام سادہ اور سلیس ہے

بتوں کو سنگ دل حق نے بنایا   بچاؤں شیشۂ دل میں کہاں سے
فقط نفرت ہے مجھ سے ورنہ اے جاں   محبت ہے تمہیں سارے جہاں سے

دعا سمجھا ہوں اپنے دردِ سر کی، میں سر گھستا ہوں اُن کے آستاں سے
ہوا اچھا جو سر قاتل نے کاٹا، سُبک میں ہو گیا بارِ گراں سے
نفیسؔ اب تجھ سے وہ گویا نہ ہوگا کیا ہے لال مُنہ کو رنگِ پاں سے

نامیؔ

محمد بخشی داد خاں نام تھا۔ شہر ساگر (سی پی) کے باشندے تھے۔ عرصۂ دراز تک بسلسلۂ ملازمت برہان پور میں قیام رہا۔ آپ میونسپل کمیٹی میں کلرک تھے۔ شاعری میں حضرتِ منیرؔ سندیلوی سے تلمذ حاصل تھا۔ موصوف کا کلام "جلوۂ یار" "پیامِ یار" اور دیگر قدیم رسائل میں اکثر شائع ہوتا تھا۔ ساگر کے متعدد اصحاب نے نامیؔ صاحب سے فیضِ سخن استفادہ کیا ہے۔ سادگی، سلاست اور محاورہ بندی آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

انتخابِ کلام

عمر در پر ترے گزاریں گے کام بگڑے ہوئے سنواریں گے
دل میں ہو گی جھلک ترے رُخ کی یہ پری شیشے میں اُتاریں گے
ہائے ماتم کدہ ہے یہ دنیا عمر روتے ہی ہم گزاریں گے
کوئے قاتل کو ڈھونڈتے ہیں ہم بوجھ سر کا وہیں اُتاریں گے

اپنی دیوانگی رسوا ہوگی　　آپ زلفیں اگر سنواریں گے

غم ہی کیا اگر مر گیا ناقیؔ

سیکڑوں تم پہ جان وار یں گے

دل رخ سے سوئے زلف چلیپا نہیں جاتا　　کفار میں اسلام کا شیدا نہیں جاتا

جاں کوچۂ قاتل میں بچائے نہیں بچتی　　دل شوقِ شہادت میں سنبھالا نہیں جاتا

دیکھوں تمہیں جی بھر کے جو آنکھوں میں رہو تم　　تم دل میں ہو دل سے تمہیں دیکھا نہیں جاتا

وہ کہتے ہیں بسمل کا تڑپنا ہے تماشا　　لیکن وہ تماشا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

بھولے سے جو آجائے کبھی تیرا تصور　　پھر خانۂ دل سے نہیں جاتا نہیں جاتا

نالہ بھی ہے فریاد بھی ہے ساتھ میں میرے　　میں کوچۂ محبوب میں تنہا نہیں جاتا

ناقیؔ کی غزل دیکھ کے پرچے میں وہ بولے

اس رنگ کا شاعر کوئی پایا نہیں جاتا،

وہ کم سن ہے وفا کیا جانے کیا ہے؟　　ابھی اچھا برا کیا جانے کیا ہے؟

لبھا ہی لیتی ہے دل عاشقوں کے　　حسینوں کی ادا کیا جانے کیا ہے؟

ہمیشہ چٹکیاں لیتا ہے دل میں　　خیال اس شوخ کا کیا جانے کیا ہے؟

وہ بسمل کر کے مجھ کو کہہ رہے ہیں　　تڑپنے میں مزا کیا جانے کیا ہے؟

نظامی

حکیم منیرالدین احمد صاحب نظامی کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ موصوف صوبۂ متوسط کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کی علمی و ادبی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ حضرتِ نظامی کا وطن الوف شہر جبل پور (سی پی) ہے۔ یہیں اردو اور فارسی کی تعلیم ختم کی بعد ازاں ۱۳۲۳ھ میں بمبئی تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے مشہور مدرسۂ ہاشمیہ میں عربی کی تعلیم مولانا حاجی سید ابوبکر صاحب کابلی سے حاصل کی۔ علم فقہ، حدیث، فلسفہ اور منطق کی تکمیل کے بعد علم طب حکیم سید محمد شاہ صاحب قادری سے حاصل کیا۔ موصوف کو علم طب میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ اکثر کہنہ اور پیچیدہ امراض آپ کے دستِ شفا سے اچھے ہوئے ہیں۔ عمر کا بیشتر حصہ بمبئی کے قیام میں بسر ہوا۔ حکیم صاحب کو شعر و سخن سے فطری لگاؤ تھا۔ فنِ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ ہوئے اپنی خداداد ذہانت اور استعداد سے جملہ اصنافِ نظم پر کامل عبور حاصل کر لیا۔ عربی فارسی اُردو اور ہندی زبان پر یکساں طبع آزمائی کی ہے۔ جبل پور، بمبئی اور دیگر مقامات پر آپ کے صدہا تلامذہ ہیں۔ نظامی صاحب کا کلام قدیم جرائد جلوۂ یار، پیامِ یار اور بمبئی کے ماہانہ رسائل میں اکثر شائع ہوتا تھا۔ بدیہہ گوئی میں جو قدرت موصوف کو حاصل تھی اس کی مثال بہت کم شعراء میں پائی گئی ہے۔ آپ کو شہرت پسندی سے ہمیشہ گریز رہا۔ نظامی

صاحب آخر میں مرضِ اسہال میں مبتلا ہوئے۔ بمبئی سے وطنِ مالوف جبل پور آگئے تھے۔ مسلسل علاج کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر ۷ رجادی الثانی ۱۳۳۲ھ میں جہانِ فانی سے راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ وفات کے بعد آپ کے برادرِ خورد مرزا مرتضیٰ حسن صاحب نے ۱۳۳۵ھ میں یادگارِ نظامی کے نام سے موصوف کا کلام شائع کرا دیا۔

اگرچہ آپ کے کلام میں شعرائے قدیم کا رنگِ تغزل ہے۔ پھر بھی کہیں کہیں مستقل مضامین کو اپنے اچھوتے انداز میں نظم کیا ہے کہ بے ساختہ دادِ سخن دینی پڑتی ہے۔ محاورہ بندی، سلاست، زبان کی سادگی، ندرتِ تشبیہات، اور جدتِ بیان آپ کے کلام کے نمایاں جوہر ہیں۔ اس کے علاوہ سوز و گداز، درد و اثر رنگینی اور رومانیت کا امتزاج موصوف کی ہمہ گیر طبیعت کا شاہد ہے عشقیہ شاعری کے علاوہ نعت گوئی میں بھی دادِ سخن دی ہے۔ اب ہم "یادگارِ نظامی" سے چند منتخب غزلیات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

بلا سے دم نکل جائے کسی مجبورِ غمگیں کا	سُلجھتا ہی نہیں پھندا تمہاری زلفِ پرچیں کا
مرے زخمِ جگر پر کیا تبسم سے نمک چھڑکا	خدا دُگنا کرے رتبہ تمہارے حُسنِ نمکیں کا
کہاں تھی اس سے پہلا اتنی سُرخی عارضِ گُل میں	اُڑایا رنگ کچھ اس نے تمہارے روئے رنگیں کا
بنایا بدلا غلاف اس نے اگرچہ ہر برس اپنا	ہوا لیکن نہ کالے سے جواب اُس عنبریں گیسو کا
نکل کر قتل گہ سے سوئیں گے آغوشِ مرقد میں	قیامت تک نہ ٹوٹیں گے اب ہم خوابِ شیریں کا

نقاب اپنا اُٹھا کر اب نظامی کو کرو بے خود

دکھا بھی دو کہیں صاحب تماشا طورِ سینیں کا

تم کو جو لائی وہ تاثیرِ دعا تھی یا نہ تھا — دل ہلایا جس نے وہ آہِ رسا تھی یا نہ تھا

غیر کو مجلس میں بٹھلایا مجھے رخصت کیا — کیا اسی کے واسطے رسمِ وفا تھی یا نہ تھا

تھا گماں رونے کا تم کو جس آواز پہ — وہ تو دل کے ٹوٹ جانے کی صدا تھی یا نہ تھا

لڑکھڑا کر گر پڑے سایہ آپ پہ! توبہ جنوں — نشۂ الفت کی یہ ساری خطا تھی یا نہ تھا

جب کہا جلوہ تمہارا ہی عیاں تھا طور پہ — ہنس کے فرمایا کہ وہ شانِ خدا تھی یا نہ تھا

اے نظامی انتہا ہے میری محرومی کی کچھ

وہ صنم تمہا رات تھی کالی گھٹا تھی یا نہ تھا

ہر اک نوکِ مژہ اشکوں سے تر ہے — مرا نخلِ تمنا بار ور ہے

ابھی سے شمع تیری آنکھ تر ہے — ابھی جلنا تجھے تو رات بھر ہے

تمہیں کو دیکھ کر چھلکے ہیں آنسو — تمہیں جا تو کہو کس بات پر ہے

کسی کو تیرے ابرو نے تو چھوڑا — ہلالی زخم قلبِ حسرت پر ہے

ہوئی بیمار سیرِ بوستاں میں — تری آنکھوں پہ نرگس کی نظر ہے

حرم میں لے گیا مجھ کو جو واعظ — میں سمجھا اس بتِ کافر کا گھر ہے

تمہیں پر ڈالتا ہے آنکھ خورشید — شعاعِ مہر یا تارِ نظر ہے

چلا آتا ہے گھر وہ ماہ پیکر

نظامی کا مقدر اوج پر ہے

ایک سی ان کی ہماری نا توانی ہو گئی
زرد رنگت ہو گئی تو زعفرانی ہو گئی

کوئے مہرو یاں میں بھٹکا تا پھرا جوشِ شباب
وجہِ رسوائی ہماری بھی جوانی ہو گئی

دل پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں ہزاروں راہ میں
کیا قیامت آپ کی اٹھتی جوانی ہو گئی

تم نے کھڑکی کھول دی ہم لڑکھڑا کر گر پڑے
در کی آہٹ ہی صدائے لن ترانی ہو گئی

ہم تو ایک ایک آرزو کو عمر بھر ترسا کئے
غیر نے جو بات اپنے دل میں ٹھانی ہو گئی

کس پہ آفت عشق نے ڈالی نہیں
ہائے اس سے کوئی دل خالی نہیں

سر چڑھا ہے یار خونِ بے گناہ
مانگ میں سیندور کی لالی نہیں

کھو دیا جوبن خزاں نے باغ کا
گل نہیں پتے نہیں ڈالی نہیں

فاتحہ وہ پڑھتے اور ہم دیکھتے
کیا بتائیں قبر میں جالی نہیں۔

میرے مرنے سے نہ ہو تم بدگماں
آنکھ میں نے حور پر ڈالی نہیں

اے محبت ہم چلے سوئے عدم
کوئی تیرا وارث و والی نہیں

اے نظامی ہے جہاں دارِ محن
رنج سے کوئی بشر خالی نہیں

پاسِ خاطر بھی ذرا وقتِ ملاقات رہے
بزمِ اغیار میں اتنی تو مری بات رہے

وصل میں کہتے ہیں وہ صبح نہ ہو جائے کہیں
ان کو جانا ہے ضرور آج ذرا رات رہے

زنداں میں بھی دیکھو نگا میں صحرائے جنوں کو | کچھ پائے تصور میں تو زنجیر نہیں ہے
گنجینۂ دل میں ہے نہاں آپ کی صورت | رکھتی پھرے یوسف کی یہ تصویر نہیں ہے

خیالی

محمد علیم اللہ صاحب خیالیؔ مرحوم بُرہان پور کے مایۂ ناز شعراء میں آپ ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ کا آبائی وطن مبارک پور ضلع اعظم گڈھ ہے مگر موصوف کی ولادت الہ آباد میں ہوئی آپ کی پیدائش کا سنہ ۱۸۶۹ء ہے الہ آباد میں والدین کے زیر سایہ ۸ سال تک پرورش پائی۔ ۹ سال کی عمر میں ان کے ہمراہ .... بُرہان پور تشریف لائے۔ اور اس شہر کو مستقل بنا لیا۔ کتب صرف و نحو فارسی و عربی کی تعلیم مولانا مولوی حافظ محمد فیض اللہ صاحب برہان پوری سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ اخلاق آداب نظم و نثر اور انشاء کی کتابیں بھی مولانائے موصوف سے پڑھیں علم منطق اور فلسفہ بھی حاصل کیا۔ زمانہ طالب علمی میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ ابتدا میں نعتیہ اشعار کہتے رہے۔ بعد میں تغزل کی طرف رجوع ہوئے۔ اپنے فاضل استاد مولانا فیض اللہ صاحب کے مشورے سے اوّل الکلام سید ذاکر حسین صاحب ھاذ غازی پوری کو اپنا کلام اصلاح کے لئے بھیجا۔ ھاذ صاحب آفتاب الدولہ نواب ارشد علی خاں بہادر قلق لکھنوی

کے مایۂ ناز شاگرد تھے۔ ھنر صاحب کے فیض تربیت اور اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کی بنا پر بہت کم عرصے میں فن شعر و ادب پر کامل عبور حاصل کر لیا۔ ۱۹۱۳ء میں جب حضرت ھنر صاحب غازی پوری برہان پور تشریف لائے تو ایک عظیم الشان مشاعرے میں حضرت خیالی کو شرف جانشینی سے سرفراز فرمایا۔ ۱۹۱۶ء تک قدیم رنگ تغزل کی تقلید کرتے رہے۔ ۱۹۱۶ء میں طبیعت کا رجحان بدلا۔ مجموعۂ غزلیات تلف کر دیا۔ جو حصہ موصوف کی غزلیات کا محفوظ رہ سکا اس کے مطالعے سے موصوف کے رنگ تغزل کا اندازہ ہوتا ہے۔ نہایت سلیس اور سادہ زبان میں نازک تشبیہات اور لطیف استعارات کے ساتھ مؤثر پیرائے میں خیالات کو نظم کرتے تھے۔ اپنی شاعری کے دوسرے دور میں واقعہ نگاری اصلاحی، اخلاقی، قومی اور فلسفیانہ مضامین دلکش اور مؤثر انداز میں بامحاورہ زبان میں نظم کرتے رہے۔ خیالی مرحوم ۱۹۳۶ء میں خواجہ احمد حسین شاہ صاحبؒ امروہوی سے سلسلۂ نقشبندیہ میں شرفِ بیعت حاصل کیا جس کی وجہ سے آپ کے کلام پر تصوف کا رنگ غالب ہو گیا۔ ۱۹۳۹ء میں خواجہ احمد حسین شاہ صاحبؒ نے حضرتِ خیالی کے تقویٰ اور پرہیزگاری سے متاثر ہو کر اپنے سلسلے کے حقِ خلافت سے مشرف فرمایا۔ آپ صوفی مسلک اور ہردل عزیز تھے۔ موصوف کی اردو خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا

صوبۂ متوسط کے قابلِ فخر اساتذہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ وسطِ ہند اور دکن
کے بڑے بڑے مشاعروں ادبی اور سیاسی جلسوں میں مدعو کئے گئے۔ جہاں
مشاہیر اہلِ فن سے تبادلۂ خیالات کے مواقع ملتے رہے۔ تحت اللفظ نہایت
موثر اور دلکش انداز میں پڑھتے تھے۔ برہانپور، خاندیس، بمبئی، برار اور دکن میں موصوف
کے صدہا تلامذہ ہیں۔ خیالی مرحوم ایک کامیاب مقرر بھی تھے۔ اکثر
سیاسی جلسوں میں آپ کی مدلل اور جامع تقریروں سے سکوت طاری ہو جاتا
تھا۔ تحریکِ خلافت کے دور میں موصوف کی سیاسی خدمات یادگار ہیں۔
آپ کی سیاسی نظموں کا مختصر مجموعہ دورِ جدید کے نام سے شائع ہو چکا
ہے موصوف کو نام و نمود اور شہرت پسندی سے گریز تھا۔ اسی وجہ سے کلام
تشنۂ اشاعت رہا اور ہندوستان کا ادبی طبقہ آپ کی علمی و ادبی خدمات
کا صلہ دے سکا۔ خیالی صاحب نے جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے
موصوف کے نامی شاگردوں میں لطافت۔ ہلالی۔ رضی، فوقی
شوری۔ حیرت۔ فاضل فلسفی۔ ذکی۔ ناظر۔ مضطر اور شوکت مرحوم
وغیرہ اصحاب خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ موصوف کے برادرِ خورد
اور جانشین منشی حشمت اللہ صاحب ریاضی بھی برہانپور کے شعراء میں
ممتاز ہیں

۳۰ دسمبر ۱۹۴۴ء مطابق ۱۳ محرم ۱۳۶۴ھ کو ۴ بجے بزمِ شعرائے قدیم

کی آخری شمع صرصرِ اجل سے خاموش ہو گئی۔ مرحوم کے دو فرزند کلیم اللہ صاحب اور ڈاکٹر حکیم اللہ صاحب حیرت فی الحال بقیدِ حیات ہیں اور خیالی صاحب کا کلیاتِ نظم شائع نہ ہو سکا ورنہ موصوف کا مجموعۂ کلام اُردو ادب میں قابلِ قدر اضافہ ہوتا۔

انتخاب کلام

بارہا دیکھا ہے یوں تو جلوہ گاہِ ناز میں
اب نہ جانے آئیں گے وہ کون سے انداز میں

اللہ اللہ کھب گئی ہیں چشمِ تیر انداز میں
کیا اُمنگیں جان دینے کی ہیں جانباز میں

قلب کے جذبات ہی پر تھا مدارِ عاشقی
اور کیا تھا اک جوانی قیس کی آواز میں

آستانِ یار پر ہے فرض رکھ دینا جبیں
ہم کو کیا ہوتے رہیں جھگڑے نیاز و ناز میں

فصلِ گل میں سیرِ گل جی بھر کے کر لیں بلبلیں
جب ہوا بدلی تو پھر طاقت کہاں پرواز میں

ہو ہی جاتی ہے خیالی خود حقیقت بے نقاب
آدمی چاہے کرے باتیں کسی انداز میں

چھلکتا ہے خمِ توحید لینا ہاں اِدھر لینا
حقیقی میکدے کے مے پرستو! جام بھر لینا

بہکنا چاہتے ہیں رند جوشِ مے پرستی میں
حقیقت کھل نہ جائے پیرِ میخانہ خبر لینا

ترے اے پیرِ وحدت اک نگاہِ لطف کافی ہے
ہمارا کام ہے پھر لامکاں کی سیر کر لینا

ضرورت عرضِ مطلب کی نہیں بزمِ ارادت میں
اُنہیں منظور ہے دینا ہمیں مدِ نظر لینا

خیالی کی دعا کا تیر جاتا ہے امیدوں پہ

بڑھا کر ہاتھ اسے اے جذب لینا ای اثر لینا

دیکھنا حسنِ ادب کے ہوں گے دیوانے بہت
شمع روشن ہو تو منڈلائیں گے پروانے بہت

قابلِ ترمیم ہے جغرافیہ اخلاق کا،
نقشۂ تہذیب دکھلاتا ہے ویرانے بہت

آہ صہبائے تمدّن کا جہاں کل دور تھا
اب وہاں ٹوٹے ہوئے ملتے ہیں پیمانے بہت

خود عمل سے رہ گئی محروم انگشتِ عمل
اور گردش میں رہے تسبیح کے دانے بہت

تنگ خوش حالانِ عالم دستِ عالم سے نہ ہوں
ہیں ابھی تبدیلیوں کے پاس نذرانے بہت

ہے خیالوں کی بلندی کا مگر پایہ بلند
اے خیالی زندگی کے ہیں تو افسانے بہت

فضائے ارتقا پیغامِ رخصت دے چکی غم کو
ہوائیں کہہ رہی ہیں بس اٹھا دو فرشِ ماتم کو

مناسب زندگی کی ساعتیں جتنی ملیں ہم کو
بڑے ہی غور سے کاٹیں غنیمت جان کے دم کو

بہت پچھتائے ہم دے کر اجازت نشترِ غم کو
تڑپتے ہیں جگر کے زخم اک مدت سے مرہم کو

ہوائے تفرقہ پرداز کے انداز کیا کہیے،
عجب انداز سے برہم یہ کر دیتی ہے عالم کو

خبر لیتا نہیں آ کر نگوں ساران پستی کی
نہ جانے کیا سمجھتا ہے کمالِ ارتقا ہم کو

حقیقت کہنے والوں کی بہ حقیقت حیرت افزا ہے
تصور ہی نہیں کرتے وہ محرم غیر محرم کو

خیالی کہہ رہا ہے فلسفہ یہ خاکساری کا
کہ سورج سے ملاؤ آنکھ ذرّے کی طرح چمکو

مری حیرت بھی حیرت میں کھڑی ہے ۔۔۔ یہ کس منزل میں پہونچا پا گیا ہوں،
نہیں ممکن کہ برسوں چین آئے ۔۔۔ کہ بے دردی سے تڑپا یا گیا ہوں
مسافر جس جگہ جا کر نہ لوٹے ۔۔۔ وہاں میں یاد فرمایا گیا ہوں
نظر میں ہے زمیں کوئے قاتل ۔۔۔ وہاں میں بارہا آیا گیا ہوں،
جہاں ہے میری پامالی پہ گریاں ۔۔۔ کہاں تک آہ ٹھکرایا گیا ہوں

خیالی ایسی منزل کا سفر ہے
نہ دل واقف مرا پایا گیا ہوں،

دور کچھ بھی نہ حقیقت کی نظر سے نکلا ۔۔۔ کہ ہر اک علم ہے تحقیق بشر سے نکلا
عزم راسخ لئے جس راہ گذر سے نکلا ۔۔۔ مطلب دل مرا ہر ایک سفر سے نکلا
دورِ عالم بھی پھر گیا وہ رہ حاجت مندی ۔۔۔ جس کو دیکھا کوئی حاجت لئے گھر سے نکلا
نقش ایثار کے آثار ہیں سب نقش قدم ۔۔۔ درد عالم کا لئے کون ادھر سے نکلا
ایک منزل پہ چلے شیخ و برہمن دونوں ۔۔۔ فرق اتنا یہ ادھر سے وہ ادھر سے نکلا
کیوں نہ خیریت عالم کا سبب ٹھہرائیں ۔۔۔ راستہ خیر کا اخلاق بشر سے نکلا
مال نے تاک لیا اور کیا مجھ کو ہدف ۔۔۔ تھا وہی تیر جو ماضی کی نظر سے نکلا
محسن خلق کی اس بندہ نوازی کے نثار ۔۔۔ کوئی محروم نہ احساں کے در سے نکلا

خدمت فن کا ثمر دیکھ خیالی ہے یہی
تحفۂ داد لئے بزم ہنر سے نکلا،

کبھی آپ اُٹھائے نہ فخر کا سر لیئے فقر کا رنگ فقیر چلے
یہی فطرتِ خلق کی سمجھے غرض کہ فقیر کی راہ اسیر چلے

جو بھلائے کی راہ دکھاتے رہے لیئے ساتھ وہی تدبیر چلے
نہ خیال ہوائے خلاف کا ہو نہ خیالِ خلاف کا تیر چلے

رہِ کار میں کوئی جو باندھے کمر رکھو پائے ثباتِ خیال پدر
رہے یاد کہ ہے یہ اصولِ سفر کوئی ساتھ لئے تدبیر چلے

نہ سمجھ کے خلاف اُٹھائے قدم نہ اعانتِ غیر کا دل میں ہو غم
نہ امیر کی چال فقیر چلے نہ جوان کے رنگ میں پیر چلے

تو کریم ہے تیرا کرم ہے عیاں تیرے دین پہ صدقے سارا جہاں
بھری کشتی مراد کی ساتھ لئے تیرے در سے جو تیرا فقیر چلے

کسی بابِ سخا کا فقیر ہوں میں کسی بزمِ ادب کا ضمیر ہوں میں
کسی عہدِ وفا کا اسیر ہوں میں اسی راہ پہ قلبِ حقیر چلے

وہ زبان ہے خیالی شُستہ زباں کہ بیاں نہ ہو بزمِ سخن پہ گراں
اسی راہ پہ مومن و ذوق گئے اسی راہ پہ حضرتِ میر چلے

اپنی جانب کھینچتا ہے رازِ پنہانی مجھے
سیر دکھلانے لگی ہے سطحِ ایمانی مجھے

دے بقا کی زندگی اعجازِ عرفانی مجھے
عیسئے دوراں عطا کر فیضِ روحانی مجھے

بڑھ کے اس منزل پہ جا پہونچی ہر باقی کی تلاش
سامنے ہر شے نظر آنے لگی فانی مجھے

جس قدر بڑھتا ہوں میں بڑھتی ہیں ذمہ داریاں ۔۔۔ اور درسِ ارتقا دیتی ہے حیرانی مجھے
کس قدر احسان ہے یہ جذبۂ ایثار کا ۔۔۔ بڑھ کے دکھلائے کئی میدانِ قربانی مجھے
خاکساری ہی سے پائی ہے ضیائے آفتاب ۔۔۔ ذرّہ ذرّہ دے رہا ہے درسِ تابانی مجھے

اے خیالی بن گئی شانِ تعارف بن گئی
لے گئی ہے کس بلندی پر سخندانی مجھے

نشانِ ضربِ حقیقت نواز رہنے دے ۔۔۔ کچھ اعتبارِ شکستِ مجاز رہنے دے
پسندِ قلب ہے سوز و گداز رہنے دے ۔۔۔ کہ تارہائے نفس گرمِ ساز رہنے دے
خموش محوِ تماشائے راز رہنے دے ۔۔۔ مجھے تو بازیٔ عالم باز رہنے دے
کسے ہے تاب کہ نئے دفترِ تغیر سے ۔۔۔ کہ سرفراز کو سرفراز رہنے دے
بنے گی وجہِ گل دورِ زندگی کے لئے ۔۔۔ مفید ہے خلشِ دل گداز رہنے دے
الٰہی جبرِ ہوائے خلاف کی ضد ہے ۔۔۔ کہ حادثات کی زد میں جہاز رہنے دے
مرادِ بزمِ جہاں ہے نتیجۂ افکار ۔۔۔ فضول قصۂ عمرِ دراز رہنے دے

ملی ادب سے خیالی جو بزم کی عظمت
عطائے فن ہے یہی ساز باز رہنے دے

خموشی ہر نظر کی راز داں معلوم ہوتی ہے
تری تصویر تصویرِ جہاں معلوم ہوتی ہے
کہاں تک وقفِ نیرنگی زباں معلوم ہوتی ہے

لئے ہر دم نرالی داستاں معلوم ہوتی ہے

اُمید افزا خیالوں کو فضا بڑھنے نہیں دیتی
یہ دامن ہیں لئے دشواریاں معلوم ہوتی ہے

ہوائیں گونجتی ہیں یہ اثر ہے دردِ پنہاں کا،
کسی بے کس دُکھے دل کی فغاں معلوم ہوتی ہے

کوئی سرمایۂ اعجاز ہے یہ دورِ موجودہ
کہ ہر تحریک اس کی کامراں معلوم ہوتی ہے

خموشی کا وہ عالم اور اطمینان کی دنیا
زمیں صحرا کی دامانِ اماں معلوم ہوتی ہے

خیالِ بخل وا ستثنا نہیں قانونِ گلشن میں
عموماً بوئے گل فرحت رساں معلوم ہوتی ہے،

جبیں اظہار کرتی ہے تمنّائے جبیں سائی،
نگاہوں سے تلاشِ آستاں معلوم ہوتی ہے

یہ بجلی اِک چمک ہے اصل میں برقِ تجلّی کی،
یہاں معلوم ہوتی ہے وہاں معلوم ہوتی ہے

وہیں سیرِ الوہیت سے آنکھیں سیر ہوتی ہیں،
تجلی نورِ وحدت کی جہاں معلوم ہوتی ہے

گلستانِ سخن کی تازگی زائل نہیں ہوتی،
بہار اس کی بہارِ بے خزاں معلوم ہوتی ہے
خیالیؔ صلح جو احباب تھے اچھی گزرتی تھی،
وہ رونقِ دارِ محفل اب کہاں معلوم ہوتی ہے

میرا مسلک ہی جداگانہ بنایا ہوتا — اپنے انداز کا دیوانہ بنایا ہوتا
حق پرستا رخدا خانہ بنایا ہوتا — غیر کا دل کو نہ دیوانہ بنایا ہوتا
ہے تو ایک خطہ آباد مگر وحشت خیز — ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا
راز کو راز پرستی میں سمجھ لینا تھا، — اپنا ہر طور مریدانہ بنایا ہوتا
حق پرستار پرستارِ ادب ہوتا ہے — دل کو تہذیب کا دیوانہ بنایا ہوتا
سہل اقدام تھا اقدام خدا ترسی بھی — اپنا انداز کریمانہ بنایا ہوتا
دل کو خالی جو رکھا سوختۂ عشرت سے — غم کدہ اور سیہ خانہ بنایا ہوتا

مجھ کو ملتے جو خیالیؔ وہ خیالاتِ بلند
بزمِ آداب کو شاہانہ بنایا ہوتا

وہ دل ہی کیا جو احساسات کا حامل نہ بن جائے
وہ منزل ہی نہیں جو کارواں منزل نہ بن جائے
ارادہ ہی وہ کیا جو رہبرِ منزل نہ بن جائے
وہ ہمت ہی نہیں جو ہمتِ کامل نہ بن جائے

مکانِ دردہے بے درد کی منزل نہ بن جائے
الٰہی دل کسی پہلو میں ایسا دل نہ بن جائے،

بچی طوفاں سے کشتی مگر پھر بھی یہ خطرہ ہے
کہ موجِ سرکشیدہ خطرۂ ساحل نہ بن جائے

سمجھ لے یا درکھے ضبط و استقلال کے معنی
شکستہ ہو بشر لیکن شکستہ دل نہ بن جائے

مبارک ہے عطائے غیب سے دولت خیالوں کی
خیالی کیوں پرستارِ فن کامل نہ بن جائے،

فضا رنگ اپنا بدلتی رہی | نئی ذہن میں بات ڈھلتی رہی
سنبھلنے کو دنیا سنبھلتی رہی | مگر خود غرض چال چلتی رہی
ترقی بھی ہے آفتابی مزاج | بنی دوپہر اور ڈھلتی رہی
اُبھرتا رہا جذبۂ انتقام | معافی کھڑی ہاتھ ملتی رہی
ہوا کی حقیقت بھی دریا کی ہے | کہ سائنس کی ناؤ چلتی رہی،
نہ دنیا کو بھی فرشِ راحت ملا | کہ ہر وقت کروٹ بدلتی رہی
اسی سے تو آواز مستانہ ہے | کہ خود اپنی لے پر یہ چلتی رہی
نسیمِ سحر ہو کے بیدار خود | یہ غفلت کا پنکھا بھی جھلتی رہی

مضامین جدت پہونچتے رہے

طبیعت خیالی بہلتی رہی

قصّے بھی غلط سارے افسانے بھی جھوٹے ہیں
کچھ دیر کی وحشت ہے دیوانے بھی جھوٹے ہیں

محفل کی جلاکاری قربانِ تجلی کیوں؟
لو شمع کی دھوکا ہے پروانے بھی جھوٹے ہیں

کیا خاک سرور آئے پاکیزہ خیالوں میں
برتے ہوئے شیشے ہیں پیمانے بھی جھوٹے ہیں

پابندِ جنوں اکثر اس دشت میں گذری ہے
اے بادیہ پیمائی! ویرانے بھی جھوٹے ہیں

مالا ہو برہمن کا یا سبحۂ زاہد ہو
گردش ہے نمائش کی وہ دانے بھی جھوٹے ہیں

رنگ مئے عرفانی آنکھوں میں نہیں ان کی
مستِ مئے دنیا ہیں مستانے بھی جھوٹے ہیں

کچھ اپنی غرض لے کر ملتے ہیں خیالی سے
تخلیہ پرستی کے دیوانے بھی جھوٹے ہیں

لئے ہاتھوں میں صہبائے عقیدت کے پیالے ہیں
یہ سارے مست عرفاں ہاشمی میخانے والے ہیں

ارادت مند عرفاں دست بیعت کے حوالے ہیں
گلے میں ہار ڈالے یا دلوں کو ہار ڈالے ہیں

نہیں گردن اٹھاتے ہیں مئے توحید کے میکش
الٰہی نقش بندی رنگ نے کیا رنگ ڈالے ہیں

تصور کی امنگیں ہیں کہ سیرِ عرش حاصل ہے
یہ پینگیں ہیں محبت کی یہ مستی کے اچھالے ہیں

یہ رتبے خاکساروں کو ملے ہیں خاکساری سے
وہ سرافراز کمبل ہیں کہ شرمندہ دوشالے ہیں

وہی عارف ہیں جن کو بیعتِ پیرِ طریقت ہے
کہ سودائی رضا کے ہیں ارادے بیچ ڈالے ہیں

حقیقت ہے کہ سیرِ عرش حاصل عرشِ دل حاصل
بلند اہلِ تصور اہلِ دل اللہ والے ہیں،

خیالی کی گزارش ہے یہی اے خواجۂ ہاشم
کہ سب ارمانِ دل تیری عنایت کے حوالے ہیں

بہت ہیں مدعائے دل مگر منظور کتنے ہیں
مجھے یہ بھی بتا دو عشق کے دستور کتنے ہیں

تمہارے دور میں مستِ مئے انگور کتنے ہیں،
خودی کتنوں کو قبضے میں لئے ہے چور کتنے ہیں

حقیقی حال دل کا ان کو سسکیاں سے کوئی پوچھے
کہ کتنے زخم آئے رہ گئے ناسور کتنے ہیں

تری بندہ نوازی نے صفائے دہر میں بڑھ کر
بنائے مستحقِ قرب کتنے دور کتنے ہیں،

مشرف ہیں اندھیرے میں جو انوارِ حقیقی سے
نظر میں تیری ایسے اے شبِ دیجور کتنے ہیں

انا کے مدعی تو سیکڑوں پھرتے ہیں دنیا میں
مگر سولی پہ چڑھنے کے لئے منصور کتنے ہیں

نظر اس بات پہ بھی ہے فضائے رحم پرور ہے؟
یہاں مغموم کتنے تھے یہاں مسرور کتنے ہیں

اسے تم یا تمہارا دل ہی جانے راز مخفی ہے
کہ خالی عشق سے کتنے ہیں دل معمور کتنے ہیں

خیالی راہ طے ہونے پہ آنکھیں یہ بھی دیکھیں گی

درِ مقصود پر پہونچے ہیں کتنے؟ دور کتنے ہیں

مبتلا کوئی آہ آہ میں ہے — کوئی راحت سے خوابگاہ میں ہے

دل رضامندیوں کی راہ میں ہے — اب تو یہ ہر طرح پناہ میں ہے

اس کو سمجھا گناہ گاروں نے — جو کرم آپ کی نگاہ میں ہے

جلوے دیر و حرم کے دیکھے ہیں — مسئلہ پھر بھی اشتباہ میں ہے

کھو گئے جا کے دیکھنے والے — صرف جلوہ ہی جلوہ گاہ میں ہے

ہے تصور کسی کی چتون کا، — ساری دنیا مری نگاہ میں ہے

بت کدہ گھر نہیں تعین کا، — وقت کی قید خانقاہ میں ہے

کس نے پی کون رہ گیا محروم — یہ تو ساقی تری نگاہ میں ہے

سونے والے بھی چونک اٹھتے ہیں — وہ اثر اب مری کراہ میں ہے

ہو گئی ضبط اس کی گویائی — حاضری جس کی جلوہ گاہ میں ہے

مستئ صبح کا اثر دیکھا — بخت بیدار خوابگاہ میں ہے

اے خیالی خیال کی دنیا

غیر فانی مری نگاہ میں ہے

رنگِ زمانہ

نام آدمی کی دشمن ہیں نمرود بن گئے ہیں — بندے ترے الٰہی معبود بن گئے ہیں

برباد کر رہے ہیں شان و شکوہِ ملت
مقبول ہونے والے مردود بن گئے ہیں

یہ جانتی ہے دنیا آخر عدم عدم ہے
پھر بھی عدم کے نقشے موجود بن گئے ہیں

دنیا کی سود مندی برباد کر رہے ہیں
حالت یہ ہے کہ خود ہی بے سود بن گئے ہیں

اندھیر کر رہی ہے اک وضع کی پرستش
افعالِ نامبارک مسعود بن گئے ہیں

رنج و الم خیالی وجہِ خراشِ دل ہیں
یہ دونوں آلہ ہائے فرسود بن گئے ہیں

متفرق اشعار

جتنے گئے یہاں سے ہوئے نذرِ بے خودی
آ کر کہی نہ کیفیتِ دید ایک نے

سائل درِ کریم پہ ہیں سیکڑوں مگر
میری طرح لگائی نہ امید ایک نے

فریاد و نالہ دونوں ہی پھر آئے نامراد
افسوس کی نہ آہ کی تقلید ایک نے

شہرت بڑھی کہ سب کی نگاہوں میں جچ گیا
ناحق جو کی کلام پہ تنقید ایک نے

دنیا تمام آج خیالی ہے متفق،
کی وحدتِ خدا کی ہے تائید ایک نے

مسیحا کو مری بیماریِ دل کا تردد کیوں
وہ پہلے اپنی ہی بیمار آنکھوں کی دوا کر لیں

حقوقِ بندگاں کی چارہ جوئی ہو ہی جائے گی
فرائض شیخ پر جو کچھ ہیں وہ پہلے ادا کر لیں

مرے دامن کے دھبے بعد کو ناصح مٹائیں گے
مبرا پہلے داغوں سے وہ اپنی تو عبا کر لیں

دورنگی چھوڑ دیں باآبرو رہنا اگر چاہیں
کسی کے ہو رہیں مضبوط پیمانِ وفا کر لیں

جبہ سائی پہ ناز کرتے ہیں، یوں حصولِ نیاز کرتے ہیں
تہ کی باتیں جناب کیا جانیں سطحِ دریا پہ ناز کرتے ہیں
سر خمیدہ مراقبہ صورت سیرِ دنیائے راز کرتے ہیں
اے خیالی زبانِ اردو پہ رشکِ اہلِ حجاز کرتے ہیں

وہی صہبا پرستی ڈھونڈتی ہے، طبیعت ہے کہ مستی ڈھونڈتی ہے
خمیدہ سر ہوں میں دنیا کے آگے یہ ظالم چیرہ دستی ڈھونڈتی ہے
کفایت کی طرف بڑھتی ہے دنیا، کہ یہ ہر جنس سستی ڈھونڈتی ہے

اتحادِ باہمی سے جو [illegible] خالی ہوئی غیر قوم آکر وہاں مالک بنی والی ہوئی
چال وہ رکھو کہ یہ کہنے کا موقع ہی نہ آئے چار دن کی چاندنی تھی رات پھر کالی ہوئی
جھوٹے وعدوں کو تو سب سچ مان کر بیٹھے رہے فی الحقیقت چاہنے والوں سے بدفالی ہوئی
خلق کو معمور رکھتا ہے نظامِ قدرتی دوسرا آیا جہاں کوئی جگہ خالی ہوئی

کون ہے جابر؟ کس کو ناتوانی چاہیئے دو ہوائے ضعف ہمت نوجوانی چاہیئے
کر چکے ہیں مدتیں گزریں فنا کی راہ طے مٹنے والوں کو بقا کی زندگانی چاہیئے
دنگ ہے بہزاد ہم نے کی ہے وہ صورت گری آج اس کے دیکھنے کو چشمِ مانی چاہیئے

بے اثر اشکوں کا اب تو روکنا ہی فرض ہے ورنہ بڑھ کر ایک دن ہم کو بہالے جائیں گے
بھر کے شیشوں میں مئے توحید کو غافل نہ ہو ورنہ اے ساقی اسے زاہد اُڑالے جائیں گے
بے جھجکی کا دور رکھا ساقیٔ گلرنگ نے ہاتھوں ہاتھ اب دور تک اس کی پیالے جائیں گے

فی الحقیقت سب اُمنگیں تھیں جوانی ہی کے ساتھ دوپہر کیا ڈھل گئی وہ چال متوالی گئی
ہاتھ کالا کر کے مُنہ بھی کر لیا کالا مگر کوئلوں کی ہائے یاروں سے نہ دلّالی گئی
آپ کہتے ہیں کھری جس کو وہی جنس وفا جوہری بازار میں تو بار بر کھالی گئی
اِک خیالی ہی کی کیا جادو بیانی مات ہے بات تیری بھی تو اب اے سحر بنگالی گئی

بولے وہ دیکھ کے آمادۂ شکوہ مجھ کو، وقت ہم صرفِ حکایات نہیں کرتے ہیں
اہلِ فن کا تو یہی جوہرِ دانائی ہے کہ کبھی فخرِ کمالات نہیں کرتے ہیں
ہے خیالی کا بھی کیا طرزِ عمل رندوں میں کہ کبھی سیرِ خرابات نہیں کرتے ہیں

آغاز

سید عنایت علی صاحب آغازؔ بُرہان پوری سے ہندوستان کا ادبی طبقہ اچھی طرح متعارف ہے۔ آپ کا آبائی وطن قصبہ ہاروڑ (مشرقی خاندیس) ہے۔ آغازؔ صاحب ۱۹۰۸ء میں بُرہان پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید حافظ علی تھا۔ ۶ سال کی عمر میں مولوی فخرالدین صاحب برہان پوری سے ابتدائی تعلیم پائی۔

فارسی کی تعلیم مولانا غلام محمد صاحب اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سے حاصل کی۔
شاعری کا آغاز ۱۹۱۴ء سے ہوا۔ عرصے تک حضرتِ راغب بُرہان پوری سے اصلاح
لی۔ اس کے بعد ترقیٔ مزید کے خیال سے فصاحتِ جنگ حضرتِ جلیل مانک پوری
سے بھی مشورۂ سخن کرتے رہے۔ ۱۹۳۳ء میں ایک ماہ تک حیدرآباد (دکن) میں رہ کر
اُستاد سے بہت کچھ حاصل کیا۔ چونکہ بوجہ پیرانہ سالی حضرتِ جلیل مرحوم کے یہاں
سے اصلاح شدہ کلام کے آنے میں بہت دیر ہوتی تھی۔ اس لئے موصوف
مولانا سیماب صاحب کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آغاز مرحوم کو حضرتِ سیماب
سے انتہائی عقیدت تھی آپ کا کلام شکوہِ الفاظ، جدّتِ تراکیب، مطالب کی گہرائی
اور سوز و گداز کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ موصوف نے قدرت سے
گہری نظر اور حساس دل پایا تھا۔ اس لئے کلام بہت مؤثر ہے۔ آغاز صاحب
زندگی بھر آلام اور مصائب کا شکار رہے۔ آخر عمر تک مقامی میونسپل
سکول میں ملازم رہے۔ اور قلیل مشاہرے پر زندگی بسر کر دی۔
آپ نے جملہ اقسامِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ خصوصاً فنِ تاریخ گوئی میں خاص
مہارت حاصل تھی۔ آغاز مرحوم نہایت خلیق اور ملنسار تھے۔ جو شخص بھی آپ
سے ملا متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ نے آخر دم تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ
جاری رکھا۔ مگر افسوس مالی حالت ایسی نہ تھی کہ تصانیف کو مطبوعہ صورت
میں پیش کرتے۔ کلام کا بیشتر حصہ احتیاط نہ ہونے سے تلف ہو گیا۔
سلاموں کا مجموعہ "چراغِ حسینی" شائع ہو چکا ہے۔ اس کے

ایک مختصر مجموعۂ نظم "شعلۂ احساس" بھی طبع ہو چکا ہے۔ اس کے سوا آپ کی نظمیں اور غزلیات رسالۂ شاعر (آگرہ) کلیم (دہلی) عالمگیر (لاہور) خیام (لاہور) اور دیگر رسائل اور اخبارات میں شائع ہو کر ناظرین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ایک ماہ کی علالت کے بعد دسمبر ۱۹۴۴ء کو آغاز صاحب نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ انتخابِ کلام درج ذیل ہے

میری غزل سرائی آہنگِ عاشقانہ
جذب آفریں ترنم وجد آفریں زمانہ

ہستی کے بام و در سے مستی برس رہی ہے
ہستی بقدرِ مستی ہے اِک شراب خانہ

اے خاکِ راہِ الفت دامن دراز ہو جا
آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنے لگا خزانہ

یہ کون آ رہا ہے تاروں کی روشنی میں
قسمت کو میں جگا لوں سوتا رہے زمانہ

تجھ سے سکون چاہوں توہین ہے یہ میری
ٹھکرا چکا ہوں تجھ کو اے گردشِ زمانہ

آج ان کو بے نقاب کئے جا رہا ہوں میں
کیا کارِ لاجواب کئے جا رہا ہوں میں

کھائی ہیں میرے دل نے شکستیں کہاں کہاں
کب سے یہی حساب کئے جا رہا ہوں میں

یہ کون آج زیبِ شبستانِ شوق ہے
آنکھوں کو فرشِ خواب کئے جا رہا ہوں میں

اب میری زندگی ہو کہ دنیا کی زندگی
سب نذرِ انقلاب کئے جا رہا ہوں میں

ہو ختم جس پہ دعوتِ میخانۂ ازل
تقسیم وہ شراب کئے جا رہا ہوں میں

آغاز کیوں نہ داد ملے حسنِ دوست کی،
لاکھوں میں انتخاب کئے جا رہا ہوں میں

جو زندہ حقیقت ہے خود ایک کہانی ہے
یہ عالمِ فانی بھی کیا عالمِ فانی ہے

گر ذوقِ سماعت ہو آسوئے چمن سُن لے
کانٹوں کی زبانوں پہ پھولوں کی کہانی ہے

اے کاش وہ آجائیں گلریز فضاؤں میں
ہر عالمِ رنگیں پہ اس وقت جوانی ہے

مدہوشِ محبت کو اے شوق وہیں لے چل
جس عالمِ مستی میں مخمور جوانی ہے

دنیا نے جسے سُن کر افسانہ بنا ڈالا
کچھ میری زبانی ہے کچھ اُن کی زبانی ہے

ہم دونوں کی نظروں کو اربابِ نظر دیکھیں
اِک آئینہ باقی ہے ایک آئینہ فانی ہے

آغاز اب انجامِ ہستی سے نہ ہو غافل
آنے کو بڑھاپا ہے، جانے کو جوانی ہے

حیرتِ جلوہ کچھ اس طرح نمایاں کر دو
دیکھنے والوں کو انگشت بدنداں کر دو

ہمتِ دل کبھی ایسے ہیں نہ دی جائے جواب
تم نے جو درد دیا ہے اُسے درماں کر دو

تا زعالم کو ہے اپنی نظر افروزی پہ
سامنے آکے اس آئینے کو حیراں کر دو

ہائے یہ گریۂ رنگیں یہ گلابی آنسو
زخمِ دل کہتے ہیں دامن کو گلستاں کر دو

دو قدم آگے ہی رہتے ہیں تمہارے نخرے
ان ہی فتنوں کو جوانی کا نگہباں کر دو

دل پہ موقوف نہیں سلسلۂ برقِ جمال
جو فضا سامنے ہو طور بداماں کر دو

رام کر لیتے ہو آغاز سخن فہموں کو
بات جب ہے کسی کافر کو مسلماں کر دو

پھر چمن کی سیر کو جانے کا موسم آگیا
صبح کی ٹھنڈی ہوا کھانے کا موسم آگیا

مژدہ باد اے مردہ و افسردہ ہستی مژدہ باد
از سرِ نو زندگی پانے کا موسم آگیا

پھر وہی راتیں وہی ہم تم وہی جوشِ نشاط
عشرتِ ہستی پہ چھا جانے کا موسم آگیا

پھر سوئے بزمِ چمن میں سازِ دل لے کر چلا
نغمہ خوں میں بیٹھ کر گانے کا موسم آگیا

چھیڑ دے اے برقِ مضطر سازِ فطرت چھیڑ دے
بادلوں کے ساز پر گانے کا موسم آگیا

دل بڑھائیں کیوں نہ حسن و عشق کی سرگرمیاں
پھر تڑپنے اور تڑپانے کا موسم آگیا،

پھر ہوا آغاز ساون کی گھٹاؤں کا ہجوم
فکرِ نو سے شعر برسانے کا موسم آگیا

ناظر سے خطاب

ہر جلوۂ صد رنگ ہے فردوسِ نظر دیکھ
اعجاز نما طلعتِ خورشیدِ سحر دیکھ

ہر تارِ شعاعی ہے کمندِ نگہِ شوق،
مشرق نے کیا چاک گریبانِ سحر دیکھ

یہ مست گھٹائیں یہ اُبلتے ہوئے چشمے
سو رنگ سے چھلکتے ہیں اِدھر اور اُدھر دیکھ

ہر جذبۂ تاثیر میں اک سحرِ ہمہ گیر
ہے گرمِ تماشا فلکِ شعبدہ گر دیکھ،

محدودِ نظر کھول یہاں دیدۂ تحقیق
اک جادۂ نوخیز ہے ہر راہ گذر دیکھ

یہ دشت و چمن اور یہ کہسار خوش آثار
ہر رنگ ہے اک دعوتِ صد حسنِ نظر دیکھ

ہر ذرّے کے سینے میں ہے دہکی ہوئی مستی
ہر گرمیِ تاثیر ہے اب شعلہ اثر دیکھ

صد جنّتِ نظّارہ ہے ہر جلوۂ معصوم
فطرت کے مناظر کو بہ اندازِ دگر دیکھ

ہے خاک کی آتش اثری دید کے قابل
ہر ذرّہ ہے اک سلسلۂ رقصِ شرر دیکھ

اب کارگہِ دہر کا ہے تجھ سے اشارہ
اس عالمِ ایجاد کو تا حدِّ نظر دیکھ

اُٹھ تو بھی دکھا فطرتِ آزاد کی پرواز
آزاد پرندے بھی ہیں تولے ہوئے پر دیکھ

یہ کعبۂ فطرت، یہ دو عالم کی عبادت سجدے میں نظر آتا ہے کونین کا سر دیکھ

ہر ذرّے میں عرفانِ خدا تیرے لئے ہے
ہر منظرِ اعجاز نما تیرے لئے ہے،

متفرقات

یہ عالم گیر استقبال لے جوشِ جنوں میرا بگولے اٹھ رہے ہیں جا بجا صحرا کے دامن میں
فنا ہو کر بھی چمکا جاؤں گا آغاز اوروں کو یہ مانا ہوں مثالِ شبنم آوارہ گلشن میں

اے نگاہِ شرمگیں اٹھ اور برقِ طور بن یہ رعایت ہو جہاں وہ حسن کی محفل نہیں
شمع کشتہ بھی اٹھالی جائے پروانوں کے ساتھ اب کہاں محفل کہ باقی گرمیٔ محفل نہیں
اضطرابِ شوق نے پہونچا دیا تو کیا ہوا میری منزل کہہ رہی ہے میں تیری منزل نہیں

یہ حسین شب یہ طوافِ کعبۂ حسن و جمال، چادرِ مہتاب تجھ کو جامۂ احرام ہے
سانس بھی ڈوبی ہوئی ہے نبض بھی اکھڑی ہوئی اب ترے بیمار کو آرام ہی آرام ہے

ذکرِ رنگینیٔ شباب نہ چھیڑ ختم افسانۂ شباب ہوا
عشق بھی فتنہ حسن بھی فتنہ جب ملے دونوں انقلاب ہوا
حشر برپا حریمِ ناز میں ہے شاید آغاز بار یاب ہوا

تمت بالخیر

(کتبہ مولوی عبدالحمید غفرلہ واعظ المشتہر قریب مسجدِ پختہ قصبہ سیہور ضلع بھوپال۔ ستمبر ۱۹۴۳ء)